مصنفہ

سیّد امتیاز علی تاج

اہتمام تاج و حجاب

دار الاشاعت پنجاب لاہور

بار اول ۱۹۳۲ء

بار دوم ۱۹۳۴ء

بار سوم ۱۹۳۷ء

بار چہارم ۱۹۴۱ء

بار پنجم ۱۹۴۵ء

بار ششم ۱۹۵۶ء

بار ہفتم ۱۹۶۰ء

بار ہشتم (بیسواں ہزار) ۱۹۶۱ء

حجاب اسمٰعیل کے نام

اتنا مختصر خط نہ اس سے پیشتر کبھی لکھا نہ آئندہ لکھوں گا۔
لیکن جن مخلصانہ جذبات کا اظہار مقصود ہے۔ وہ ایک لفظ میں بھی ادا
ہو سکتے ہیں۔ اس مختصر عریضے کو شرفِ قبولیت بخشئے۔ کتاب کا پڑھنا
ضروری نہیں۔ اسے ایک ضمیمہ سمجھئے طویل مگر بے معنی۔

تاج

دسمبر ۱۹۳۱ء

باہتمام .... تاج و حجاب

کتابت .... ملک علی محمد

طباعت .... اردو پریس لاہور

طباعتِ سرورق .... نوروز پریس لاہور

قیمت .... ساڑھے تین روپے

ناشر

دارالاشاعت پنجاب لاہور

دیباچہ

میں نے انارکلی ۱۹۲۲ء میں لکھا تھا۔ اِس کی موجودہ صورت میں تھیٹروں نے
ے قبول نہ کیا۔ جو مشورے ترمیم کے لئے اُنھوں نے پیش کئے اُنہیں قبول کرنا مجھے گوارا
نہ ہوا ؛

مغربی ڈراما کے مطالعے کے بعد دس سال پہلے بھی اِسے طبع کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی
ردو ڈراما کی حالت دیکھتے ہوئے آج بھی اسے طبع کرنے میں تامل نہیں ؛

جہاں تک میں تحقیق کرسکا ہوں تاریخی اعتبار سے یہ قصّہ بے بنیاد ہے۔ لاہور میں محکمۂ
آثارِ قدیمہ کی طرف سے انارکلی کے مقبرے میں اس کی جو داستان ایک فریم میں لگی ہوئی ہے
س کا ترجمہ یہ ہے :-

" لاہور کا سول اسٹیشن انارکلی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خطاب شہنشاہ اکبرؒ کے حرم
یں نادرہ بیگم یا شرف النسا بیگم ایک منظورِ نظر کنیز کو ملا تھا۔ ایک روز اکبر شیش محل میں بیٹھا تھا

نوجوان انارکلی اس کی خدمت میں مصروف تھی۔ تو اکبر نے آئینوں میں دیکھ لیا کہ وُہ سلیم کے اشاروں کا جواب تبسم سے دے رہی ہے۔ بیٹے سے مجرمانہ سازش کے شبہ پر شہنشاہ نے اُسے زندہ گاڑ دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں اُسے مقررہ مقام پر سیدھا کھڑا کر کے اُس کے گرد دیوار چن دی گئی۔ سلیم کو اس کی موت کا بے حد صدمہ ہوا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد اس نے انارکلی کی قبر پر ایک نہایت عالیشان عمارت بنوا دی۔ اس کا تعویذ خالص سنگِ مرمر کی ایک ہی سل سے بنا ہوا ہے جو اپنے حُسن کے اعتبار سے غیر معمولی اور نقش کے اعتبار سے نادر روزگار ہے۔ بقول ایسٹوک کے یہ تعویذ دنیا میں سنگ تراشی کے بہترین نمونوں میں ہے۔ اس کے اوپر اللہ تعالٰی کی ۹۹ صفات کندہ ہیں۔ پہلوؤں پر یہ شعر کھدا ہوا۔ انارکلی کے عاشق شاہ جہانگیر نے خود کہا تھا ؎

"تا قیامت شکر گویم کردگارِ خویش را۔"
"آہ گر من باز بینم رُوئے یارِ خویش را۔"

"(مجنون سلیم اکبر)"

ایک دوسرے فریم میں اس عمارت کی تاریخ لکھی ہے۔ کہ کس زمانے میں اس عمارت سے کیا کام لیا گیا۔ اس سلسلے میں انارکلی کے زندہ گاڑنے کی تاریخ سنہ ۱۵۹۹ء اور مقبرے کی تاریخ سنہ ۱۵۹۹ء اور مقبرے کی تکمیل کی تاریخ سنہ ۱۶۱۵ء درج ہے۔

یہ داستان نہ معلوم کب اور کیونکر ایجاد ہوئی۔ اور لاہور کی جن تواریخ میں اس کا تذکرہ ہے ان میں کہاں سے لی گئی۔ خود داستان میں اندرونی شہادتوں کی بنا پر کئی ایسے نقائص ہیں جن کی وجہ سے یہ قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن ان امور پر مورخ مجھ سے بہتر بحث کر سکتا ہے۔

میرے ڈراما کا تعلق محض روایت سے ہے۔ بچپن سے انارکلی کی فرضی کہانی سنتے
رہنے سے حُسن و عشق اور ناکامی و نامُرادی کا جو ڈرامہ میرے تخیّل نے مغلیہ حرم کی شوکت و
تجمّل میں دیکھا اس کا اظہار ہے۔ اب تک جن لوگوں نے اسے سُنا [illegible] اُن کا [illegible] امر پر اختلاف
ہے کہ یہ ٹریجیڈی سلیم اور انارکلی کی ہے یا اکبرِ اعظم کی۔ لیکن انارکلی میں اتنی دلاویزی ہے
کہ نام تجویز کرتے وقت کسی دوسرے امر کو ملحوظ رکھنا میرے لئے ناممکن تھا ؛

ہندوستان کے مایۂ ناز مصوّر اور میرے محترم دوست عبدالرحمٰن چغتائی نے میرے
مُردہ لفاظ کے ساتھ اپنے زندہ نقوش کو شامل کر دیا ہے۔ یوں اس ڈرامہ کی طباعت بھی
میرے لئے ویسی ہی خوشی کی موجب ہے۔ جیسا اس کا اسٹیج پر آجانا میرے لئے ہوتا۔ وُہ
سے اپنا احسان بھی نہ سمجھیں۔ مگر میں اسے اپنے لئے فخر و عزّت کا باعث بھی سمجھتا ہوں ؛

میرے دوست غلام عبّاس صاحب اور مولانا چراغ حسن حسرت نے نظرِ ثانی اور طباعت
کے دُوسرے کاموں میں جس محبت اور سرگرمی سے دلچسپی لی اس کا دلی شکریہ ادا کئے بغیر
میں یہ دیباچہ ختم نہیں کر سکتا ؛

سید امتیاز علی تاج
۷۔ ریلوے روڈ۔ لاہور

دیباچہ طبعِ دوم

اس عرصہ میں اس کتاب پر متعدد ریویو شائع ہوئے۔ اکثر اصحاب نے مضامین ا
خطوط میں اسے استحسان کی نظر سے دیکھا۔ بعض حضرات نے اسے ناپسند کیا۔ میں تعریف
دونوں کے لئے احسان مند ہوں، جو مشورہ مجھے مفید معلوم ہوا اس پر میں نے طبع
عمل کیا ہے جسے اہم نہیں سمجھا اسے نظر انداز کر دیا ہے۔ چند ایک نقادوں سے میں متفق
دوسرے اصحاب رفتہ رفتہ مجھ سے متفق ہو جائینگے ؂

سید امتیاز علی تاج

افراد

جلال الدّین اکبر .. .. شہنشاہِ ہند

سلیم .. .. .. اکبر کا بیٹا ۔ ولی عہد

بختیار .. .. .. سلیم کا بے تکلف دوست

رانی .. .. .. اکبر کی راجپوت بیوی اور سلیم کی ماں

انارکلی .. .. .. حرم سرا میں اکبر کی منظورِ نظر کنیز

ثریّا .. .. .. انارکلی کی چھوٹی بہن

ماں .. .. .. انارکلی اور ثریا کی ماں

دلارام .. .. .. انارکلی سے پہلے اکبر کی منظورِ نظر کنیز

زعفران .. .. .. حرم سرا کی ایک شوخ کنیز

ستارہ .. .. .. حرم سرا کی کنیز ۔ زعفران کی سہیلی

مروارید .. .. .. حرم سرا کی کنیز ۔ دلارام کی رازدار

عنبر .. .. .. حرم سرا کی کنیز ۔ دلارام کی رازدار

خواجہ سرا کافور .. .. کنیزوں کا داروغہ

داروغہ زنداں ۔ خواجہ سرا ۔ بیگمیں ۔ کنیزیں وغیرہ

مقام .. .. .. قلعہ لاہور

زمانہ .. .. .. ۱۵۶۹ء کا موسم بہار

مناظر

باب اوّل
عشق

باب دوم
رقص

باب سوم
موت

سلیم انارکلی : عمل چغتائی

By the kind permission of the owner.

منظرِ اوّل

مغلِ اعظم جلال الدین محمد اکبر شہنشاہ ہند کی محل سرا میں موسم بہار کی ایک دوپہر۔ ظہر کی نماز ادا ہوئے ڈیڑھ گھنٹے کے قریب وقت ہوچکا ہے۔ ستونوں اور محرابوں کے سائے طویل ہونے شروع ہوگئے ہیں۔ بیگمیں دوپہر کی استراحت ختم کرنے والی ہیں۔ معمر خادمائیں دوسرے وقت کے کاموں میں مصروف ہوچکیں۔ لیکن ابھی رونق اور چہل پہل کا وہ ہنگامہ برپا نہیں ہوا۔ جو مشرقی حکمرانوں کی محلسراؤں کو نشاط و طرب کی دُنیا بنائے رکھتا ہے۔

ایک کشادہ اور بلند بارہ دری جو حرم کے صحن اور پُرانے پائیں باغ کے درمیان واقع ہے۔ اور پائیں باغ میں ملازمین حرم کے جدید حجرے تعمیر ہوجانے کے باعث اب بیگموں کے استعمال میں نہیں رہی۔ الگ تھلگ اور صحن حرم سے دُور ہونے کی وجہ سے نوجوان کنیزوں اور خواصوں کی مرغوب آرام گاہ ہے۔ جہاں وہ اس وقت بھی بڑی بوڑھیوں کی نظروں اور طعنوں سے محفوظ ہوکر اپنی فراغت کا بقیہ وقت اطمینان اور بے فکری سے گذار رہی ہیں۔

کچھ بیٹھی چوسر کھیل رہی ہیں۔ کچھ شطرنج کی چالوں میں دُنیا و مافیہا سے غافل ہیں۔

ایک طلب والی نے پاندان کھول رکھا ہے۔ کبھی پان لگا کر کھاتی ہے۔ کبھی چھالیہ کترتے کترتے آرسی میں مسّی کی دھڑی کا معائنہ کر لیتی ہے۔ جنہیں بیگموں سے سلیقے اور سگھڑاپے کی داد ملتی ہے ان میں سے کوئی اپنی شہرت برقرار رکھنے کی فکر میں سرگُندھوا رہی ہے۔ کوئی پُرانے دوپٹے کو نئے سرے سے رنگوا کر اس پر لچکا ٹانک رہی ہے۔ جنہیں ملازمانہ زندگی کے سرد و گرم اور گرما بازاریوں نے بےحس بنا دیا ہے ان کے نزدیک فراغت کا بہترین مصرف نیند ہے۔ لیکن اس مقام کی خلوت کا پورا فائدہ زعفران اور ستارہ اُٹھا رہی ہیں۔ چنچل اور مُنہ پھٹ لڑکیاں ہیں۔ گانے بجانے کی شوقین۔ لیکن موسیقی سے زیادہ موسیقی دانوں کے بزت اور چہرے کی کیفیات ادا کرنے سے دلچسپی ہے۔ اس وقت سب بندھنوں سے آزاد ہو کر ستار کے ساتھ گا رہی ہیں۔ اور پھیپھڑوں کا زور گیت کی نسبت تحسین باہمی میں زیادہ صرف کر رہی ہیں ۔

دوسری جانب دلارام۔ مروارید اور عنبر ایک کونے میں بیٹھی رازدارانہ انداز میں سرگوشیاں کر رہی ہیں۔ دلارام پیڑھی پر بیٹھی اپنے پُختہ حُسن کے اعتبار سے نہ صرف ہمرازوں میں بلکہ تمام محفل میں نمایاں نظر آ رہی ہے۔ لمبی آنکھ۔ اُونچی اور پتلی ناک اور روا ضح ٹھوڑی کہہ رہی ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں جنہیں زندگی کی رَو اپنی شدت میں ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دینے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ہزیمت کے آثار و تفکرات نے چہرے کو بےرونق بنا رکھا ہے۔ لیکن آنکھوں میں تصورات کا لوچ ظاہر کر رہا ہے کہ بساط سے بڑھ کر سوچ رہی ہے ۔

دِلارام۔ (گفتگو کے دوران میں دو ایک مرتبہ چیں بجبیں ہو کر زعفران اور ستارہ کی طرف یوں دیکھتی ہے گویا ان کے شور و غل سے پریشان ہے۔ پر چُپ ہو ہو رہتی ہے۔ آخر نہیں رہا جاتا) اے ہے توبہ! کیسا گلا پھاڑ پھاڑ کر گا رہی ہیں۔ کان

پڑی آواز نہیں سنائی دیتی ؁

مروارید۔ (دلارام کی پہل سے حوصلہ پاکر) دوپہر میں دو گھڑی کا آرام بھی تو کم بختوں نے حرام کر دیا ہے ؁

زعفران۔ ہم تمہیں کیا کہہ رہے ہیں ؟

مروارید۔ صریحاً گھر کا گھر سر پر اٹھا رکھا ہے۔ بات کرنی دشوار کر دی ہے! ابھی بیچاری کچھ کہہ ہی نہیں رہی ہیں ؁

زعفران۔ پھر جسے باتیں کرنی ہوں کہیں اَور جا بیٹھے ؁

عنبر۔ مگر یہ تان سین کی بچّی گائیں گی ضرور ؁

زعفران۔ (ستارہ پھر سے چھیڑنے کو تھی۔ مگر عنبر کی گالی بھلا کیسے سُن لے) مُنہ سنبھال کے بات کر عنبر۔ واہ! بڑی آئی کہیں کی گالیاں دینے والی۔ تُو ہی لگتی ہوگی تان سین کی کوئی ہوتی سوتی ؁

دلارام۔ نہیں مانے گی زعفران۔ پٹر پٹر بکے چلی جا رہی ہے میں جا کر چھوٹی بیگم سے کہہ دوں گی ؁

زعفران۔ اے تو منع کس نے کیا ہے۔ ایک بار نہیں ہزار بار ؁

ستارہ۔ (مصالحت کے ناصحانہ انداز میں) چلو زعفران۔ یہیں جو چلے چلیں۔ باغ میں چل بیٹھتے ہیں ؁

زعفران۔ (اتنی مختصر جھڑپ سے دل کا بخار کہاں نکل سکتا ہے) اب وُہ دِن گئے جب کمان چڑھی ہوئی تھی۔ اب بیگموں سے بات تو کر کے دیکھیں۔ کوئی مُنہ بھی نہ لگائے گا ؁

(دُوسری کنیزیں جو اس بحث میں شامل نہیں۔ مگر متوجّہ ضرور ہیں۔ زیرِ لب
تبسّم اور اشاروں کنایوں سے زعفران کی جرأت کی داد دیتی ہیں)

ستارہ ۔ اَے ہَے زعفران تم بھی تو پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جایا کرتی ہو ٭

(ستار زعفران کے ہاتھ سے لے لیتی ہے۔ کہ اسے پھر گانے بجانے
کے شغل میں مصروف کر لے)

زعفران ۔ مَیں کیوں دبوں کسی سے۔ بُہت دن اِن کی ناز برداریاں کیں۔ اب تو
انارکلی کی بہار ہے۔ اِن سے ڈرے میری جُوتی !

دلارام ۔ (جل کر کھڑی ہو جاتی ہے) اچھا ٹھہر تو تو مُردار۔ جو یہ کُتر کُتر کرتی جیبھ
ہی نہ گُدّی سے کھینچ لُوں تو سہی ٭

زعفران ۔ ذرا مُنہ تو بنوا کر آؤ ٭

(ستارہ زعفران کو لے جانے کے لئے کھینچتی ہے)

عنبر ۔ (اُٹھتے ہوئے) چڑیل مردار !

زعفران ۔ ہی ۔ ہی ۔ ہی ۔ ہی ۔ ہی ۔ ہی ۔ ہی ٭

(مُنہ چڑھا دیتی ہے۔ ستارہ منہ چڑھاتی کو زبردستی کھینچ لے جاتی ہے۔
دُوسری کنیزیں بہ مشکل اپنی ہنسی روکتی ہیں۔ دلارام اور عنبر خون کے سے
گھونٹ پی کر اپنی جگہ بیٹھ جاتی ہیں۔ اس دوران میں چوسر کھیلنے والی
لڑکیوں میں سے ایک کی آواز آتی ہے "کیوں کیسی رہی ؟" شطرنج کھیلنے
والیوں میں سے ایک کہتی ہے "اب چلو کہاں چلتی ہو ؟" دلارام۔ عنبر
اور مروارید ذرا دیر خاموش رہتی ہیں۔ اور پھر رازدارانہ انداز میں سرگوشیاں

شروع کر دیتی ہیں)

مرواریدؔ۔ دیکھا۔ مَیں نہ کہتی تھی۔ نقشہ ہی بدل گیا ہے ۔

عنبرؔ۔ محل کا محل اُسی مُردار کا کلمہ پڑھ رہا ہے ۔

مرواریدؔ۔ پھر اس میں کسی کا کیا قصور۔ دلارام نے آپ ہی تو اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے ۔

عنبرؔ۔ (کسی قدر توقف سے) مَیں کہتی ہُوں۔ یہ تمہیں چُھٹی لینے کی سُوجھی کیا تھی ؟

دلارامؔ۔ اب مجھے کیا خبر۔ ذرا سی چُھٹی میں رنگ ہی بدل جائے گا۔ (تامّل کے بعد) مجھے معلوم ہوتا تو بیمار بہن پڑی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم بھی توڑ دیتی مَیں پاس نہ پھٹکتی ۔

عنبرؔ۔ بہن کے پیچھے مفت میں اپنی بنی بنائی بات کھو دی ۔

دلارامؔ۔ (کچھ دیر متفکر انداز میں سر جھکائے بیٹھی رہتی ہے) مگر سان نہ گمان۔ یہ کایا پلٹ ہوئی تو کیونکر ؟

عنبرؔ۔ ہوئی کیونکر۔ رات کو جشن تھا۔ نادرہ نے میدان جو تُم سے خالی دیکھا خوب بن ٹھن کر جا شامل ہوئی ــــــــ

مرواریدؔ۔ نہیں بھئی ایمان ایمان کی کہو۔ نادرہ تو اللہ تعالیٰ رہتی ہے۔ اُس کی ماں اس کا بناؤ سنگھار کر کے لے گئی تھی ــــــــ

عنبرؔ۔ اے وہ ایک ہی بات ہے۔ بیٹی گئی یا ماں لے گئی۔ ایک تو کم بخت تھی ہی چاند کا ٹکڑا۔ سونے پہ سہاگہ ہوا سنگھار۔ قیامت بن گئی ــــــــ

مرواریدؔ۔ پھر جو گانا وغیرہ سُنایا اور جہاں پناہ سے دو ایک چونچلے کئے ــــــــ

عنبر۔ تو جہاں پناہ تو تم جانو۔ دل رکھنے کو ہر ایک کی تعریف کر ہی دیتے ہیں۔ کہنے لگے: نادرہ تم تو عین مین انار کی کلی معلوم ہوتی ہو۔

مرواریدہ۔ اور اس کے گانے اور حاضر جوابی سے خوش ہو کر اپنا موتیوں کا ہار انعام میں بخشا۔ پھر کیا تھا پل بھر میں تمام محل انارکلی کے نام سے گونج اٹھا۔

کافور۔ (بائیں باغ کی ڈیوڑھی میں سے) عنبر! اے مرواریدہ! اری او ماہ پارہ!

دلارام۔ (فکرمندی سے مگر بظاہر بے پروا بن کر) صاحب عالم بھی جشن میں موجود تھے؟

عنبر۔ جھوم جھوم کر انار کلی کو داد دے رہے تھے۔

کافور (وہیں ڈیوڑھی میں کھڑا غل مچا رہا ہے) اے اللہ! کہاں مر گئیں یہ نامرادیں؟

راحت۔ (کھیل سے سر اٹھا کر) سنا نہیں بی کافور پکار رہی ہیں۔

مرواریدہ۔ (سر موڑ کر بے پروائی سے) کوئی وقت ہے بھی جب نہ پکارتی ہوں۔

کافور۔ (چل کر بارہ دری میں آنے سے بچنا چاہتا ہے) اری کم بختو! کان چور لے گئے کیا؟

مرواریدہ۔ (دلارام سے) جو ہوا سو ہوا۔ اب آئندہ کی کہو؟

عنبر۔ (دلارام کو متامل دیکھ کر) دم خم باقی ہے کہ دب رہو گی؟

دلارام۔ اُس کل کی چھوکری سے؟

عنبر۔ پھر آخر کیا کرو گی؟

دلارام۔ (سامنے گھورتے ہوئے) ناگن کی دُم پر کوئی پاؤں رکھ دے تو وہ کیا کیا کرتی ہے؟

مروارید۔ آخر؟

(کنیزوں کا داروغہ خواجہ سرا کافور داخل ہوتا ہے۔ لحیم شحیم شخص۔ سیاہ رنگت آنکھوں کے نیچے اور باچھوں پہ ایسی جھرّیاں جن سے عیّاری ظاہر ہے۔ دلارام اُسے دیکھ کر انگلی ہونٹوں پر رکھ لیتی ہے۔ اور عنبر اور مروارید کو چپ ہونے کا اشارہ کرتی ہے)

کافور۔ اری مُردارو اللہ ماریو! کانوں میں کیا رُوئی ٹھونس کر بیٹھی ہو؟ چیخ چیخ کر گلا آ گیا۔ جو کوئی بھی پھُوٹے مُنہ سے ہنکارا بھرے۔ سائے کہیں کے کہیں پہنچ گئے۔ عصر کی اذان ہو گئی۔ نہ حمّام تیار کیئے۔ نہ گلاب پاش بھرے نہ پھُول چنگیروں میں رکھے گئے۔ نہ بجرے سیر کے لئے سجے۔ جو ان نگوڑے مارے کھیلوں کو چُولھے میں نہ جھونک ڈالوں۔ نہ دین کی نہ دُنیا کی۔ نہ کام کا ہوش نہ سر پیر کا فکر۔ دِن بھر بیٹھی کھیل رہی ہیں۔ اور دِل ہی نہیں بھرتا۔ اے تم غارت ہو کم بختو۔ جیسا تم نے مُجھ بڑھیا کو ستایا ہے ؎

(کنیزیں سب چیزیں سمیٹ سمٹا کر بھاگ جاتی ہیں)

دلارام۔ (چلتے چلتے آہستہ سے عنبر سے) دیکھنا! آج کی بات کی بھنک بھی کسی کے کان میں نہ پڑے ؎

عنبر۔ نشا خاطر رہو ؎

کافور۔ (دلارام سے) یہ تم کھڑی کیا مسکوٹ کر رہی ہو؟ سُنا نہیں۔ مَیں نے کیا کہا؟

دلارام۔ (چڑ کر) سُن لیا۔ سُن لیا ؎

کافور۔ سُن لیا۔ تو اب کیا کسی اَور طرح سمجھانے پر سمجھو گی ؟

دلارام۔ (دبے ہوئے غصّے سے) دیکھو بی کافور۔ ہوش میں رہ کر بات کیا کرو مجھ سے۔ مَیں نہ سہوں گی یہ بدزبانیاں ٭

کافور۔ کیوں تم میں کون سا سرخاب کا پر لگا ہے ؟ اے کیا اب تک اسی بات پر بھُولی ہو۔ کہ کبھی ظلِّ الٰہی کے حضور میں بار پا بی حاصل تھی۔ اس دھوکے میں نہ رہنا۔ ہو چکی ڈھائی پہر کی بادشاہت۔ اب تو ایک ہی لاٹھی سے ہانکی جاؤ گی۔ اُفوہ رے دماغ ! کہ مَیں نہ سہوں گی یہ بدزبانیاں ٭

دلارام۔ (وقار سے) بی کافور مَیں ظلِّ الٰہی کی نظروں سے اُتر گئی سہی پر اُن کی یاد سے ابھی نہیں اُتری ٭

کافور۔ (دلارام کی وقار آمیز گفتگو سے کسی قدر مرعوب ہو کر) اے تو مَیں نے تمہیں ایسی کیا بُری بات کہہ دی کہ بگڑ بیٹھیں۔ اتنا ہی کہا تھا نہ۔ کہ بیٹی باتیں پھر کسی وقت کر لینا۔ اب چل کر اپنا کام کرو ٭

(دلارام کے چہرے پر حقارت کا ایک خفیف سا تبسّم نمودار ہوتا ہے۔ اور وہ استغنا سے سر اُٹھائے عنبر اور مروارید کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہے)

کافور۔ (میدان خالی دیکھ کر آپ ہی آپ بول کر دل کی بھڑاس نکالتا رہ جاتا ہے) ذرا ذرا سی بات پر ان لوگوں کے ماتھوں پر تو بل پڑ جاتے ہیں۔ وقت پر چیز تیار نہ ملے تو شامت میری آجاتی ہے۔ لوگو یہ تو بڑا غضب ہے۔ کہ زبان ہلاؤ تو گنہگار بن جاؤ۔ چُپ رہو تو عتاب میں آجاؤ ٭

(انارکلی کی ماں داخل ہوتی ہے۔ سیدھی سادی پریشان ہو جانے والی پُختہ عمر

عورت جسے محل کی شوخ طبع کنیزیں محض اس وجہ سے نہیں بناتیں۔ کہ سلیم الطبعی اور تہذیب کے علاوہ اپنے طور طریقوں اور برتاؤ سے خاندانی عورت معلوم ہوتی ہے)

ماں ۔ کیوں بی کافور کیا ہوا؟ کیوں کھول رہی ہو آپ ہی آپ؟

کافور ۔ سنیں تم نے اس قطامہ دلارام کی دھمکیاں ۔ کہ کام کا تقاضا کیا ۔ تو جاکر ظلِ الٰہی سے لگائے بجھائے گی ۔ میں نے کہا ۔ ایک دفعہ نہیں ہزار بار ۔ میری انارکلی کا دم سلامت رہے ۔ میں کیا ایسی بھبکیوں سے سہم جاؤں گی ——— بیٹی کہاں ہے؟ دن بھر کہیں نظر ہی نہیں آئی ۔ آج بیگمیں بھی کئی بار پوچھ بیٹھی ہیں ۔

ماں ۔ کیا کہوں ۔ مجھے تو اس لڑکی نے پریشان کر دیا ہے ۔ صبح سے کہہ رہی ہوں کہ بیٹی جا بیگموں کو سلام کر ۔ ہنس بول ۔ پر گم سُم بیٹھی سنتی ہے ۔ اور رسید ہی نہیں ۔ تم ہی کہو محل سراؤں میں کہیں یوں گذر ہو سکتی ہے؟

کافور ۔ اے ابھی انجان ہی تو ہے ۔ رفتہ رفتہ سیکھ جائے گی ۔

ماں ۔ (ذرا دیر چپ رہ کر) کہتی تو تھی ۔ تم چلو میں آتی ہوں ۔

کافور ۔ (رازدارانہ انداز میں) بیگموں سے ملنے سے بچّی کتراتی ہے ۔ تو تمہیں اصرار کرنے کی کیا پڑی ہے ۔ ظلِ الٰہی کی خوشنودی حاصل ہو تو سمجھو سب کچھ ہے ۔

ماں ۔ (فکرمندی سے) پر کَے دِن تک؟ لگانے بجھانے والے بھی تو تاک میں رہتے ہیں ۔

کافور۔ کسی کو باریاب ہونے کا موقع ہی کیوں دے ۔

ماں ۔ (خدا جانے کچھ سوچ رہی ہے یا یُوں ہی اداس ہے) اتنی ہوتی تو پھر رونا کاہے کا تھا ۔

کافُور ۔ اے چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے ۔ ادائیں سیکھنے کی اسے حاجت ہی نہیں ۔

ماں ۔ (تامّل سے) محل سراؤں میں بے ساختہ ادائیں کم نصیبی کا نشان ہُوا کرتی ہیں ۔

کافور۔ خدا نہ کرے ۔ خدا نہ کرے —— تم میرے سپُرد جو کردو بیٹی کو ۔

ماں ۔ میرے کہے میں ہو بھی ۔

کافور۔ دِنوں میں لگا دوں گی پر (سرگوشی میں) بیگمیں بھی منہ ہی دیکھتی رہ جائیں ۔

ماں ۔ (چونک کر کافور کو دیکھتی ہے ۔ اور پھر اندیشہ ناک نظروں سے اِدھر اُدھر تک کر انگلی ہونٹوں پر رکھ لیتی ہے)

کافور۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے !

ماں ۔ (چلنے کو مُڑتے ہوئے) نہ بُوا اللہ عزّت آبرو ہی سے اُٹھائے ۔

کافور۔ تم جانو ۔ سُریلا پرندہ اُڑنا نہیں سیکھتا تو تیلیوں سے سر پٹکا کرتا ہے ۔

ماں ۔ (رُک کر کافور کو دیکھتی ہے) کیا مطلب ؟

کافور۔ (سامنے دیکھتے ہوئے) انار کلی !

انار کلی داخل ہوتی ہے ۔ پندرہ سولہ سال کی نازک اندام لڑکی جس کے چمپئی رنگ میں اگر سرخی کی خفیف سی جھلک نہ ہو تو شاید بیمار سمجھی جائے

خد و خال شعراء کے معیارِ حُسن سے بہت مختلف۔ اس کا چہرہ دیکھ کر ہر تخیل پسند کو پھولوں کا خیال ضرور آتا ہے۔ لیکن مغلِ اعظم نے اسے جو خطاب دیا۔ اس کے متعلق کئی لوگ کہہ سکتے تھے کہ معانی سے زیادہ الفاظ کے حسنِ ترکیب کے باعث موزوں معلوم ہوا۔ نمناک آنکھوں میں جیسے حسرتیں بیٹھی جھانک رہی ہیں۔ یہی اس کی سب سے بڑی کشش ہے ؎

(انارکلی طول اور افسردہ نظر آتی ہے۔ اور باوجود کوشش کے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ دیر سے سوچ رہی تھی ابھی اسے بھلا نہیں سکی)

ماں۔ اے لڑکی کہاں رہ گئی تھی تو؟

انارکلی۔ چلی تو آ رہی ہوں ؎

کافور۔ (بلائیں لے کر) اے قربان گئی۔ رات سے تمہیں دیکھنے کو جی ترس رہا ہے بیٹی۔ کہ دیکھوں تو اس چاند سے مکھڑے پر انارکلی کا خطاب پھبتا کیسا ہے!

(انارکلی ایک اداس تبسّم سے منہ پھیر لیتی ہے)

ماں۔ (انارکلی کے جواب کے انتظار میں کچھ دیر توقّف کر کے) کیسا ہے جی؟

انارکلی۔ اچھی ہوں ؎

کافور۔ اور بیٹی تم نے سُنیں اس حرّافہ دلارام کی باتیں۔ تمہیں انارکلی کا خطاب کیا ملا۔ بس جلی مر رہی ہے۔ ابھی ابھی مجھ سے اُلجھ پڑی تھی۔ کہنے لگی تم کس انارکلی پر پھُولی پھر رہی ہو۔ میں اب بھی جو چاہوں ظلِّ الٰہی سے کرا سکتی ہوں۔ مَیں نے کہا۔ لد گئے وہ دِن۔ اب تو ہماری انارکلی کا راج ہے ؎

(انارکلی چپکی کھڑی سر جھکائے انگوٹھے سے انگلیوں کے ناخن ملتی رہتی ہے۔
ماں اس کے جواب کی منتظر رہتی ہے)

ماں ۔ آج کس سوچ میں پڑی ہوئی ہے تو ؟

انارکلی ۔ (مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے) کسی سوچ میں بھی نہیں ؛

ماں ۔ (بگڑ کر) پھر ایسی گم سُم کیوں ہے ؟

کافور ۔ اَے یوں ہی رات کی تکان ہوگی ۔ جشن بھی تو بڑی دیر تک رہا رات !
لو مَیں چلوں ۔ بڑا کام پڑا ہے ۔ نہ جانے وہ اللہ ماریاں کیا کر رہی ہوں گی
(انارکلی کی بلائیں لے کر) خطاب بھی کیا سوچا ہے ظلِ الٰہی نے ! انارکلی! واہ وا
واہ ! (کافور ہنستا ہؤا رخصت ہو جاتا ہے)

ماں ۔ (کافور کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی بگڑ کر) نادرہ !

انارکلی ۔ جی امّاں !

ماں ۔ دُنیا کی تو انارکلی انارکلی کہتے زبان خشک ہوئے جا رہی ہے ۔ اور تجھے
اِتنی بھی توفیق نہیں کہ جھوٹے مُنہ سے دو بول شکریے ہی کے کہہ دے
یہ آخر تجھے ہؤا کیا ہے ؟

انارکلی ۔ (سر جھکا کر) کچھ بھی نہیں امّاں بی تم کو تو وہم ہو گیا ہے ؛

ماں ۔ ہاں آج ہی تو ہؤا ؛

انارکلی ۔ کبھی نہیں بھی ہوتا جی ہنسنے بولنے کو ؛

ماں ۔ بھلا کوئی بات ہے ۔ خوشی کے موقعے پر نہ ہنسنا نہ بولنا ۔ گُم سُم ہو جانا ۔
جو کوئی دیکھے گا سَو سَو نام دھرے گا ؛

انارکلی ۔ (کسی قدر بگڑ کر) اب پڑا ——

ماں ۔ تو بھئی ۔ میں تو یُوں تُم کو ساتھ لے کر بیگموں کے پاس جاتی نہیں ۔ خود ہی پڑی آتی رہنا ۔ اَور نہیں تو —— اتنی دفعے کہا ۔ بیٹی جی نہیں ہوتا ۔ تو دل پر جبر ہی کر کے ذرا ہنس بول لے ۔ دکھاوے کو بندہ کیا کچھ نہیں کرتا ۔ اب تیری سمجھ میں نہ آوے تو تُو جان اور تیرا کام ؎

(ماں بگڑ کر چلی جاتی ہے)

انارکلی ۔ (ملول نظروں سے اسے رخصت ہوتے ہوئے دیکھتی رہتی ہے) میری امّاں ! مَیں خوش ہونے والا دل کہاں سے لاؤں ؟ تمہیں کیسے سمجھاؤں ۔ کہ مَیں کیوں غمگین ہُوں ۔ اے کاش مَیں اپنا دل کسی طرح تمہارے سینے میں رکھ دیتی ۔ پھر دیکھتی تم کیسے کہتی ہو ۔ تو انارکلی ہے تو خوش کیوں نہیں ہوتی ؟ میں کیسے بتاؤں مَیں انارکلی ہُوں ۔ مَیں اسی لئے خوش نہیں ہوتی ۔ تُم نہیں سمجھ سکتیں میری امّاں تم نہیں سمجھ سکتیں —— جو کنیز بننے کو پیدا ہوئی ہو ۔ پھر وہ خوش کیوں ہو ؟ وہ تو محبّت میں جل مرنے سے بھی ڈرتی ہے ۔ وُہ تو ایک شہزادے کی طرف اس ڈر کے مارے نظر بھی نہیں اُٹھاتی ۔ کہ کہیں اس کی آنکھوں میں محبّت نہ دیکھ لے ۔ پھر بتاؤ تو وُہ انارکلی ہوئی تو کیا ! (انارکلی پیڑھی پر بیٹھ جاتی ہے اور سر جُھکا لیتی ہے)

(سورج محل کے دوسری طرف ڈھل چکا ہے ۔ بارہ دری میں سے باغ کے جو سرو دکھائی دیتے ہیں ان کی سبزی سیاہ پڑ چکی ہے
ثریّا داخل ہوتی ہے ۔ تیرہ سال کی چلبلی ہوئی خوش باش اور چنچل لڑکی نقش

انارکلی سے زیادہ اچھے ہیں۔ مگر وہ دلکشی نہیں ہے۔ محل کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے حالات سُن سُن کر بہت سیانی بن چکی ہے۔ مگر ناتجربہ کاری اور کم عمری کے باعث سیانے پن کو چھُپانے کے انداز ابھی نہیں آئے) ؎

ثریّا۔ تم یہاں ہو بہن؟ نادرہ آپا!

انارکلی۔ کیوں ثریّا؟

ثریّا۔ (پیار سے) چلو نا سب تم کو بار بار پوچھ رہے ہیں ؎

انارکلی۔ (افسردہ تبسم سے) انارکلی جو ہوئی ؎

ثریّا۔ کیوں آپا؟

انارکلی۔ سچ مچ بھلا کیوں؟ (چلنے کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے)

ثریّا۔ (انارکلی کی کمر میں باہیں ڈال کر) چُپ چُپ کیوں ہو باجی؟

انارکلی۔ (مُسکرا کر ٹالتے ہوئے) نہیں تو ننھی ؎

ثریّا۔ (شوخی سے) ننھی تو مان جائے۔ پر شہزادہ سلیم نہیں مانتے باجی ؎

انارکلی۔ (چونک کر) صاحب عالم! تجھ سے ملے تھے؟ کب آج؟

ثریّا۔ (مزے لے لے کر) آج دوپہر وہ حرم میں آئے تھے۔ میں انہیں راستے میں مل گئی۔ تو لگے کہنے ’تمہاری انارکلی نظر نہیں آئیں۔ کہاں ہیں وہ آج‘؟ میں جواب بھی نہ دینے پائی تھی۔ کہ بولے ’ثریّا وہ اتنی چپ چپ اور سب سے الگ الگ کیوں رہتی ہیں؟ یہ عادت ہے اُن کی یا ان ہی دنوں ان کی بھی یہ حالت ہو گئی ہے‘۔ پھر میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں جوش سے پکڑ کر کہنے لگے۔ ’ثریّا کہہ دو۔ کہ میری طرح ان ہی دنوں ان کی یہ حالت

ہو گئی ہے'' ؛

انارکلی - پھر تُو نے کیا کہا ؟

ثریّا - میں نے کہا - آپ کی طرح اِن ہی دنوں اُن کی یہ حالت ہو گئی ہے - (انارکلی کھوئی ہوئی چوکی پر بیٹھ جاتی ہے) بس یہ سُنتے ہی ان کا چہرہ گُلابی ہو گیا - اور خوشی کے جوش میں انھوں نے میری پیشانی کو چُوم لیا ؛

انارکلی - (ثریا کو تکتے ہوئے) چُوم لیا! تیری پیشانی کو ؟

ثریّا - ہاں اور پھر ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ جلدی سے باہر چلے گئے ؛

انارکلی - میرے اللہ - صاحب عالم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے! تو تُو جو کچھ کہا کرتی ہے وُہ سچ ہے ثریّا ؟ ـــــ (سوچتے ہوئے) پھر اس کا انجام کیا ہوگا!

ثریّا - (انارکلی سے لپٹ کر اور مُنہ اُس کے کان کے قریب لا کر گویا ایک بہت بڑی بات کہنے والی ہے) میری بہن ایک روز ہندوستان کی ......

انارکلی - (یک لخت ثریا کے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہمہ تن گوش ہو جاتی ہے) چُپ - ثریا چُپ دیکھ سُن!

(دونوں کوئی آواز سُننے کے لیے کان لگا دیتی ہیں - توقف غیر محدود معلوم ہوتا ہے)

ثریّا ـــــ کچھ بھی تو نہیں!

انارکلی ـــــ ہائے کچھ تھا - میرا دل ڈوبا جاتا ہے ثریّا - میرے کانوں میں کوئی کہہ رہا ہے تُو سوختہ اختر ہے نادرہ (توقف) تُو نے مجھے یہ کیا بتا دیا! میں نے کیوں تجھ سے یہ پُوچھ لیا!

ثریّا۔ وہ سُنو باہر پیڑ پر کیا بول رہا ہے ؟

انارکلی - کاگ !

ثریّا۔ اب اس شگون پر تو خوش ہو جاؤ (باہیں پھیلا کر) میری اچھی آپا !

انارکلی۔ (ثریّا کو گلے لگا کر) میری پیاری ثریّا! (ثریّا کے رخسار چومتے چومتے پیشانی چوم لیتی ہے پھر یک لخت شرما کر سر جھکا لیتی ہے)

ثریّا۔ (تاڑ چکی ہے) یہ پیشانی چوم کر تم شرما کیوں گئیں آپا ؛ اس لئے کہ صاحب عالم نے بھی ——— ؟

انارکلی ۔(شرما کر منہ موڑتے ہوئے) میں بھول گئی تھی ۔

ثریّا ۔ (گدگدا کر) کتنی مزے کی بھول ہے ۔

(انارکلی جدھر مُنہ موڑتی ہے ۔ ثریّا مسکراتی ہوئی شوخی سے اُدھر ہی جا کھڑی ہوتی ہے۔ آخر ہنستی ہوئی بہن سے لپٹ جاتی ہے۔ انارکلی اور شرما جاتی ہے۔ اور اپنے آپ کو ثریّا سے چھڑا کر بھاگ جاتی ہے ۔ ثریّا بھی قہقہہ لگاتی ہوئی پیچھے پیچھے بھاگتی ہے)

پردہ

منظرِ دوم

شہزادہ سلیم کے محل کا شمال مغربی ایوان ۔ محل قلعۂ لاہور میں حرم سرا کی چار دیواری سے باہر لیکن اس سے بہت کم فاصلے پر واقع ہے ۔ یہ ایوان جس کے آگے ایک جھروکے دار مثمن برُج ہے ۔ بیرونی منظر کی سرسبزی و شادابی کے باعث ایسا دلکشا اور فرحت زا مقام بن گیا ہے ۔ کہ کوئی بھی مغل اپنے اوقاتِ فرصت گذارنے کے لئے تمام محل میں سے اس ایوان کے سوا دُوسرا مقام منتخب نہ کر سکتا ۔

دُور جہاں غروبِ آفتاب نیلے آسمان میں ارغوانی رنگ آمیزی کر رہا ہے ۔ گھنے پیڑوں کے طویل سلسلے میں سے کھجوروں کے سربلند اور ساکت درخت کالے کالے نظر آ رہے ہیں راوی ان دُور کی رنگینیوں کو اپنے دامن میں قلعے کی دیوار تک لانے کی کوشش کر رہا ہے برُج کے مغربی جھروکے میں سے ایک مسجد کے سفید گنُبد اور سُرخ میناروں کا کچھ حصّہ نظر آتا ہے ۔

اندر برُج کے آگے سنگِ مرمر کا ایک چبوترہ ہے جو تمام ایوان کے عرض میں پھیلا ہؤا ہے ۔ اس چبوُترے کے دونوں پہلوؤں پر مغلیہ انداز کی محرابوں والے دروازے ہیں

جن میں سے دایاں حرم سرا کو اور بایاں بیرونی حصّوں کو جاتا ہے۔ تین سیڑھیاں جو چبوترے ہی کے برابر عریض ہیں ایوان میں اُترتی ہیں۔ ایوان کی دائیں اور بائیں دیوار میں محل کے دوسرے حصّوں میں جانے کے دروازے ہیں ۔

ایوان میں بیش قیمت قالین بچھے ہیں۔ جن پر زری کی تکیوں والی مسند جڑاؤ تخت پر رکھی ہوئی بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ سامانِ آرائش کم مگر پُرتکلف ہے۔ اور اگرچہ تزئین میں بے حد سادگی سے کام لیا گیا ہے اور بحیثیتِ مجموعی ایوان کسی قدر خالی خالی معلوم ہوتا ہے۔ مگر دیواروں کے نقش و نگار۔ بُرج کے جھروکوں پر جالیوں کی صنعت۔ دروازوں پر گراں قیمت اطلسی پردے اور مناسب مقامات پر طلائی چوکیاں۔ ہشت پہلو میزیں اور ان پر جڑاؤ پھولدان دیکھنے سے مغلیہ تجمّل کا اثر دل پر ہوئے بغیر نہیں رہتا ۔

سلیم بُرج کے جھروکے میں بیٹھا راوی پر غروبِ آفتاب کو دیکھ رہا ہے۔ اندر ستارہ اور زعفران دف بجا بجا کر ناچ رہی ہیں۔ مگر ان کو علم ہے کہ سلیم متوجّہ نہیں۔ کچھ دیر ناچنے کے بعد وہ ٹھہر جانے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتیں۔ مگر گھڑی گھڑی اس خیال سے پاؤں ہلاتی رہتی ہیں کہ سلیم سمجھے ناچ رہی ہیں۔ زعفران ستارہ کو اشارے سے چلنے کے لئے کہتی ہے۔ ستارہ نفی میں سر ہلا دیتی ہے۔ آخر دونوں قریب آ کر سرگوشیوں میں گفتگو شروع کر دیتی ہیں ۔

ستارہ۔ پوچھ لے پہلے ۔

زعفران۔ چل بھی دے چُپکے سے۔ اُنہیں دریا کی سیر سے فرصت کہاں ؟

ستارہ۔ اور جو مہارانی پُوچھ بیٹھیں۔ ایسی جلدی کیوں لوٹ آئیں ؟

زعفران۔ کہہ دیں گے وہ تو دیکھ رہے تھے لہروں کا ناچ۔ ہم دیواروں کے آگے ناچتے گاتے ؟

ستارہ ۔ ہاں کہہ ہی تو دیں گی ۔

زعفران ۔ اور کیا نہیں بھی ؟

ستارہ ۔ اسے تو تم اجازت ہی جو لے لو ۔ تم سے تو بہت ہنس ہنس کر باتیں کیا کرتے ہیں ۔ کیوں ؟

زعفران ۔ (جیسے شرما گئی ۔ ہلکا سا طمانچہ مارتی ہے) چل قطامہ !

ستارہ ۔ اوہ شرما بھی تو گئیں ۔

زعفران ۔ میں کیوں شرماتی ۔ پوچھ لیتے ہیں ہم (زعفران اس انداز سے سلیم کی طرف جاتی ہے گویا ایک اہم خدمت کے لئے منتخب کی گئی ہے ۔ کہیں پاؤں ٹیڑھا پڑجاتا ہے اور گر پڑتی ہے) ۔

سلیم چونک کر زعفران کی طرف دیکھتا ہے ۔ اور برج میں سے اٹھ کر اندر آجاتا ہے ۔ تیکھے نقش کا وارستہ مزاج بندہ جو شباب کے اوّلیں مراحل میں ہے ۔ ستارہ ہنسی روکتی ہے ۔ زعفران نیچے پڑی پڑی پہلے سلیم کی طرف پھر ستارہ کی طرف دیکھتی ہے ۔

سلیم ۔ یہ کیا ہوا زعفران ؟

ستارہ ۔ (ہنسی ضبط کرتے ہوئے) حضور سے رخصت کی اجازت لینے جا رہی تھیں نگوڑے جیونٹے سے ٹھوکر ———— (کھلکھلا کر ہنس پڑتی ہے)

زعفران ۔ نامراد ہنسے جا رہی ہے کھڑی کھڑی ۔

سلیم ۔ تم چاہتی ہو تمہیں آ کر اٹھائے ۔ (سلیم زعفران کو اٹھانے کے لئے اس کی طرف بڑھتا ہے ۔ زعفران خود اٹھ کھڑی ہوتی ہے ۔ ستارہ شوخی سے اس کے کپڑے جھاڑنے

لگتی ہے۔ زعفران اسے ایک تھپڑ رسید کرتی ہے)

سلیم ۔ تم بہت شوخ ہو زعفران ۔

زعفران ۔ ہاں حضور بھی جب کہتے ہیں ہمیں ہی شوخ کہتے ہیں (ناز کے مصنوعی کھسیانے پن سے) ایک تو میں سلے کے گر پڑی (سلیم اور ستارہ دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑتے ہیں) حضور کو تو ہنسی کی سوجھ رہی ہے۔ جاتے ہیں ہم۔ (چلی ہی تو جائیں گی)

سلیم ۔ (مسکراتے ہوئے) کہاں چلیں بات تو سنو ۔

زعفران ۔ (چلتے چلتے رک کر ستارہ کی طرف دیکھتی ہے۔ اس کے چہرے پر پھر ایک پُرمعنی تبسّم ہے) پھر اس کو بھیج دیجئے یہاں سے ۔

سلیم ۔ وہ تمہیں کیا کہہ رہی ہے ؟

ستارہ ۔ اب تو یہ نکلوائیں گی ہی ہمیں۔ اُدھر انارکلی نے سر پر چڑھا رکھا ہے ۔ ادھر آپ نے مُنہ لگا رکھا ہے ۔ جو نہ کریں تھوڑا ہے ۔

سلیم ۔ (انارکلی کا ذکر ہو اور سلیم دلچسپی نہ لے) اُوہو تو انارکلی بھی تم سے بے تکلّف ہیں زعفران ؟ ثریا تو کہتی تھی وہ کسی سے بات ہی نہیں کرتیں ۔

زعفران ۔ تو حضور آدمی دیکھ کر ہی بات ہوتی ہے نا ۔

ستارہ ۔ ہاں اِن میں تو بڑے چاند جڑے ہیں ۔

زعفران ۔ پھر کیا نہیں بھی ؟

سلیم ۔ (مسند پر بیٹھ کر) تو تم سے کیا باتیں کیا کرتی ہیں وہ ؟

زعفران ۔ اب کوئی باتیں مقرر تو ہیں نہیں۔ سبھی طرح کی باتیں ہوتی ہیں ۔

سلیم ۔ خوب خوب ——— (کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا بات کرکے اس تذکرے کو جاری رکھے) غرضیکہ بہت محبت ہے تم کو انارکلی سے ؟

زعفران ۔ اے مجھی کو کیا۔ کون سا ہے بھلا آدمی محل سرا میں جو اُنہیں نہ چاہتا ہو۔ (بڑی تمکنت سے سر پھیر کر ستارہ پر ایک نظر ڈالتی ہے)

سلیم ۔ تو ہم نہیں بھلے آدمی زعفران ؟ (گویا دیکھوں تو زعفران سامنے سے کیا کہتی ہے ؟)

ستارہ ۔ (زعفران کی پریشانی کو بھانپ کر) گھبرا کیوں گئیں ؟

زعفران ۔ اب حضور کے۔ حضور کی تو۔ میں نے تو محل سرا۔ توبہ توبہ۔ اے حضور میں تو اس کل مُوہی کے جلانے کو کہہ رہی تھی ۔

ستارہ ۔ (فاتحانہ انداز میں مُسکرا کر) اب کیوں نہ کہو گی یُوں ؟

سلیم ۔ (لطف لیتے ہوئے) ہم یُوں باتوں میں نہیں اُڑنے کے۔ اب تو زعفران تُمہیں ہم کو بھی بھلے آدمیوں میں شامل کرنا ہی پڑے گا ۔

زعفران ۔ اے بھُول ہو گئی حضور بخش دیجئے ۔

ستارہ ۔ بھُول کیوں۔ اب لاؤ نہ جا کر اپنی انارکلی کو ۔

سلیم ۔ ہاں ہاں ان کے گانے کی بھی تو بہُت تعریف سُنی ہے ہم نے ۔

زعفران ۔ مجھ سے اچھا تھوڑا ہی گاتی ہے ۔

سلیم ۔ لیکن زعفران ہم بھلے آدمی بھی تو بننا چاہتے ہیں۔ کیوں ستارا ؟

ستارہ ۔ حضور اب جان بچانا چاہتی ہے یہ ۔

سلیم ۔ ناکام رہو گی زعفران ۔

زعفران ۔ میں پھر جا کر بُلا بھی لاؤں گی ۔

ستارہ۔ جاؤ نہ پھر انتظار کاہے کا ہے؟
زعفران۔ اچھی بات ہے (تاؤ میں آکر چل پڑتی ہے)
سلیم۔ (متوقع ملاقات کے اندیشوں سے یک بخت سراسیمہ ہوکر کھڑا ہوجاتا ہے) ٹھیرو ٹھیرو زعفران ؛
ستارہ۔ جانے بھی دیجیے حضور۔ جو اس کے کہے سے وُہ کبھی آجائے ؛
زعفران۔ اور اگر لے آئی تو؟
سلیم۔ (گھبرا کر) نہیں نہیں زعفران نہیں ؛
ستارہ۔ تو مضائقہ بھی کیا ہے حضور۔ سبھی تو آتے جاتے ہیں یہاں ؛
سلیم۔ تم کو نہیں معلوم اس میں —— بس نہیں تم جاؤ (ایسے انداز سے دُور جاکر کھڑا ہوجاتا ہے جس کے صاف یہ معنی ہیں کہ زعفران اور ستارہ رخصت ہوجائیں) ؛
دونوں حیران ہوکر ایک دوسرے کو دیکھتی ہیں اور سرگوشیاں کرتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ سلیم تنہا رہ جاتا ہے) ؛
اللہ! پھر یہ سہمی ہوئی محبّت کب تک راز رہے گی۔ مجبور دِل یوں ہی چُپ چاپ دُکھا کرے گا۔ یا وُہ فرخندہ ساعت بھی آئے گی جس کی اُمید میں زندگی قیامت ہے (آہ بھر کر) کیسے آئے گی۔ وُہ کہاں مانیں گے۔ ہائے وُہ تو کہہ دیں گے وُہ انارکلی ہے۔ حرم سرا کی کنیز۔ تو سلیم ہے مغلیہ ہند کا شہزادہ پھر میں کیسے اپنا سینہ اُن کے سامنے کھول کر رکھ دُوں گا۔ میرے اللہ میں کیا کروں! (بے چین ہوکر مسند پہ گر پڑتا ہے اور تکیے پہ سر رکھ دیتا ہے) ؛

(ذرا دیر خاموش رہتی ہے۔ پھر دُور دریا کی طرف سے گانے کی ہلکی ہلکی آواز آتی ہے۔ سلیم کچھ دیر اسی طرح پڑا سُنتا رہتا ہے۔ پھر اُٹھتا اور سُست قدموں سے بُرج میں جاتا اور دریا کی طرف جھانکتا ہے۔ آخر جھروکے کے ساتھ سر ٹیک کر کھڑا ہو جاتا اور گیت سننے لگتا ہے۔ آواز مدّھم ہوتی ہوتی غائب ہو جاتی ہے) ؛

راوی کے دِلشاد ملّاح! تو کیوں نہ گائے۔ لہریں نیند میں بہ رہی ہوں اور کشتی اپنے آپ چلے جا رہی ہو۔ پھر بھی نہ گائے؟ تو کیا جانے۔ جب وقت کی ندّی بہتے بہتے سست پڑجاتی ہے۔ اور امید ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو کیا ہوتا ہے۔ (آہ بھر کر) جا۔ شفق زار لہروں پہ گاتا ہوا چلا جا۔ اور خوش ہو کہ تو شہزادہ نہیں۔ ورنہ سنگِ مرمر کی چھتوں کے نیچے اور بھاری بھاری پردوں کے اندر تیرے گیت بھی دبی ہوئی آہیں ہوتے۔ (سر جھکا کر خاموش ہو جاتا ہے) ؛

(سُورج ڈوب چکا ہے۔ باہر شام کا دھندلکا ہے۔ ایوان کے اندر تاریکی گہری ہوتی جا رہی ہے ؛

پچھواڑے کے دروازے سے دو خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں۔ ایک نے روشن مشعلیں اور دوسرے نے ایک چوکی اُٹھا رکھی ہے۔ اندر آ کر وہ تعظیم بجا لاتے ہیں۔ ان میں کا ایک فانوس کے نیچے چوکی رکھ دیتا ہے۔ دوسرا چڑھ کر مشعل سے فانوس روشن کرتا ہے۔ پھر دونوں چُپ چاپ اگلے بائیں دروازے سے رخصت ہو جاتے ہیں ؛

بختیار چبوترے کے بائیں دروازے سے داخل ہوتا ہے سلیم کے ساتھ
کا کھیلا ہؤا اس قدر بے تکلف دوست ہے کہ اسے داخل ہونے کے لئے
اجازت حاصل کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ خوش طبع نوجوان ہے جس کی
آنکھوں میں خلوص چمکتا ہؤا نظر آتا ہے)

بختیار۔ (سلیم کو بُرج میں مستغرق ہوکر) پھر سوچ میں ؟
سلیم۔ بختیار آ گئے تم ؟ (سیڑھیاں اُتر کر ایوان میں آجاتا ہے)
بختیار۔ آپ کس فکر میں غرق ہیں ؟
سلیم۔ مَیں سوچ رہا ہُوں، بختیار مطمئن ملاح ایک آرزومند شہزادے کی نسبت کس قدر خوش نصیب ہے ؎
بختیار۔ مَیں ان ملاحوں کا اِدھر سے آنا جانا ہی بند کرا دوں گا ؎
سلیم۔ کیوں ؟
بختیار۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری ؎
سلیم۔ احمق پھانس نکالنے کی بجائے اُنگلی کاٹنا چاہتا ہے ؟
بختیار۔ پھانس نکالنا بس میں جو نہیں ؎
سلیم۔ (مسند پر بیٹھتے ہوئے) جبھی تو کہتا ہُوں آرزوئیں پوری کرنے کی قُدرت نہ ہو تو حکومت اور ناداری یکساں ہیں ؎
بختیار۔ تو پھر سودا کر لیجئے۔ ولیعہدی کا بوجھ مَیں اُٹھائے لیتا ہُوں ؎
سلیم۔ اور اس کے بدلے مجھے کیا دو گے ؟
بختیار۔ انار کلی ؎

سلیم۔ وہ کیسے ؟

بختیار۔ یہ رہی (جیب میں سے ایک رومال نکالتا اور اُسے مسند پر رکھ کر بڑے اہتمام سے کھولتا ہے۔ رومال میں انار کے پھول اور کلیاں ہیں۔ ایک کلی اُٹھا کر بہت تکلّف سے سلیم کو دیتا ہے)

سلیم۔ تم کتنے خوش فکر ہو بختیار ؛

بختیار۔ قبلہ ڈبیہ میں بند کر کے رکھنے کے قابل ہُوں ؛

سلیم۔ (کلی کو دیکھتا رہتا ہے) کتنا حُسن کتنی رعنائی ہے اس کلی میں۔ رنگ بُو اور نزاکت ننھّی سی نیند میں سو رہے ہیں۔ لیکن بختیار انار کلی ——— اُس سے اِن کا کیا تعلّق۔ وُہ تو فردوس کا ایک خواب ہے۔ شباب کی آنکھوں کی قوسِ قزح اور سچ مچ بختیار کبھی کبھی تنہائی میں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے وہ صرف میرا تصوّر ہے۔ اسے حقیقت سے کوئی تعلّق نہیں۔ جیسے میں نے ایک خیال کو اپنے دل کے سنگھاسن پر بٹھا لیا ہے۔ اور اسے پُوج رہا ہُوں ؛

بختیار۔ عُرفی کی صُحبت آپ کو شاعر بنا دے گی ؛

سلیم۔ (کلی کو دیکھتا دیکھتا کسی خیال میں غرق ہو چکا ہے۔ بختیار کی طرف توجّہ نہیں رہی) کیا ؟

بختیار۔ (سلیم کو بے توجّہ دیکھ کر ذرا بلند آواز سے) مغلوں کو مدبّر بادشاہوں کی ضرورت ہے۔ وہ شاعر بادشاہ نہیں چاہتے ؛

سلیم۔ (اسی بے خبری کی کیفیت میں) درست ہے ؛

بختیار۔ قابلِ عمل تو کیوں ہوگا۔

سلیم۔ (یک لخت کھڑا ہو کر بختیار کو شانوں سے پکڑ لیتا ہے) اور بختیار اگر میں اپنا تمام محل ان ہی انار کے پھولوں اور کلیوں سے سجا لوں۔ اور پھر کسی روز انارکلی بھول کر ادھر آجائے۔ آہ وہ دیکھے۔ کہ اُسی کے نام کے پھولوں سے میں نے اپنے محل میں اک آگ سی لگا رکھی ہے۔ پھر۔ پھر؟

بختیار۔ اور اگر انارکلی سے پہلے ظلِ الٰہی ادھر آجائیں۔ پھر؟

سلیم۔ (سوچتے ہوئے) پھر کیا ہو؟

بختیار۔ اکبرِ اعظم کی نگاہ اپنے فرزند کی نسبت بہت زیادہ دور بین اور معاملہ فہم ہے۔ اور وہ بہت جلد ہر بات کی تہ تک پہنچ جاتی ہے۔

سلیم۔ (سوچ میں بیٹھ جاتا ہے) وہ اس سے کیا نتیجہ نکالیں؟

بختیار۔ جو نتیجہ آپ نہیں چاہتے کہ وہ نکالیں (سلیم کے سامنے مسند پر بیٹھ جاتا ہے) انارکلی کا خطاب ابھی حرم سرا کی پُرانی بات نہیں۔ اور آپ کی یہ تنہا پسندی اور افسردگی اور پھر ان پھولوں کی رنگ و بُو سب سے بڑی جاسوس بن سکتی ہے۔

سلیم۔ سوختہ اختری۔ نحس تھی وہ ساعت جب تیرہ بختی نے مجھے دودمانِ مغلیہ کا ولی عہد کر دیا۔ اور اس سے زیادہ نحس تھا وہ لمحہ جب انارکلی کی حیران نظروں نے اس دل کو ایک انگارہ بنا دیا (بختیار سلیم کی طرف ہمدردی کی نظروں سے دیکھتا ہے)۔

دلارام چبوترے کے دائیں دروازے سے داخل ہوتی ہے۔ نہ بختیار

نے اسے دیکھا ہے نہ سلیم نے۔ جب وہ قریب پہنچ کر تعظیم بجا لاتی ہے۔ تو
بختیار اُسے دیکھ کر انار کے پھولوں کو فوراً مسند کے تکیے کے نیچے چھپا دیتا
ہے۔ دلارام دیکھ لیتی ہے۔ مگر تعظیم بجا کر خاموش کھڑی ہو جاتی ہے ؎

سلیم۔ کیا ہے دلارام ؟

دلارام۔ ظلِّ الٰہی حرم سرا سے باہر تشریف لا رہے ہیں۔ انہوں نے اطلاع بھیجی ہے
کہ وُہ آپ کی طرف بھی آئیں گے ؎

سلیم۔ ادھر آئیں گے ؟ وُہ خود !

دلارام۔ حضور ؎

سلیم۔ (بختیار کی طرف متفکر نظروں سے دیکھ کر) کیوں ؟ (دلارام سے) تمہیں معلوم ہے
کیوں ؟

دلارام۔ جی نہیں ؎

سلیم۔ کوئی خاص بات تو نہیں سُنی تم نے ؟

دلارام۔ جی نہیں ؎

سلیم۔ (کچھ تامل کے بعد) مَیں استقبال کو حاضر ہوتا ہُوں (سلیم سوچ میں کھڑا ہو جاتا
ہے۔ دلارام جانا چاہتی ہے)

بختیار۔ (جواب تک دلارام کو دلچسپی کی میٹھی نظروں سے دیکھتا رہا ہے) کیا نام تھا تُمہارا ؟
دلارام نا ں ؟ ہاں (مسکرا کر) کچھ نہیں۔ دلارام ! خوب نام ہے۔ تم جاؤ ؎
(دلارام خاموش چلی جاتی ہے۔ بختیار گردن بڑھا بڑھا کر ادھر دیکھ رہا ہے
جدھر دلارام گئی ہے۔ کہ شاید پردوں میں سے دلارام ایک مرتبہ ایوان میں

جھانکے ۔ یک لخت ایک بارعب انداز سے نوبت بجتی اور شہنائیاں بجنی شروع ہو جاتی ہیں)

سلیم ۔ وہ حرم سے برآمد ہو گئے ۔ تم ٹھہرو بختیار ۔ میں استقبال کو جاتا ہوں ؂

(سلیم جاتا ہے ۔ بختیار مسند کے تکیے درست کرتا ہے ایک تکیے کے نیچے سے انار کے وہ پھول نکلتے ہیں جو اُس نے دلارام کو دیکھ کر چھپا دیئے تھے انہیں اُٹھا لیتا ہے اور اِدھر اُدھر دیکھتا ہے کہ کہاں رکھے ۔ مگر قدموں کی آہٹ سن کر پھر تکیے کے نیچے چھپا دیتا ہے ؂

سلیم ۔ اکبر ۔ حکیم ہمام اور چند خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں ۔ خواجہ سرا دروازے کے قریب آکر رک جاتے ہیں ۔ سلیم اکبر اور حکیم ہمام آگے بڑھ آتے ہیں ۔ بختیار مجرا بجا لاتا ہے ؂

اکبر گٹھے ہوئے جسم کا خوش شکل اور میانہ قد شخص ہے ۔ پیشانی اور رخساروں کی شکنیں گو دیکھنے والوں کے دل میں خوش اخلاقی اور حلم کا اعتماد پیدا کرتی ہیں لیکن غالباً دنیائے خیال میں رہنے کے باعث خواب ناک آنکھوں میں کچھ ایسی قوت ہے جو قطع نظر اس امر سے کہ وہ شہنشاہ ہند ہے ہر شخص کو محتاط رہنے اور نظریں جھکا لینے پر مجبور کر دیتی ہے ۔ گردن کی باوقار حرکت سے ظاہر ہے کہ عالی ہمت شخص ہے مضبوط دہانہ کہہ رہا ہے ۔ کہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں رکاوٹوں کو خاطر میں نہیں لا سکتا ۔ حرکات میں مستعدی ہے ۔ رفتار میں ایک ایسا انداز گویا زمین کی تحقیر کر رہا ہے ۔ اس وقت وہ سلیم سے ناخوش نظر آتا ہے ۔ لیکن سلیم سے اس کی غیر معمولی الفت اس قدر مسلّم ہے کہ محرمان

حرم بخوبی جانتے ہیں یہ کبیدگی پدرانہ فہمائش کو مؤثر بنانے کے لئے سوچ سمجھ کر اختیار کی گئی ہے۔ اور اُس غیظ و غضب سے اس کا دُور کا بھی تعلق نہیں جو کبھی کبھار اکبر کو بے پناہ بنا دیا کرتا ہے) ٭

اکبر۔ حکیم صاحب کہتے ہیں تم علیل ہو شیخو ؟

سلیم۔ (گو مگو کے عالم میں) نہیں تو جہاں پناہ ٭

اکبر۔ (حکیم صاحب پر نظر ڈال کر) کیوں حکیم صاحب ؟

حکیم۔ ظلِّ الٰہی۔ غلامِ بارگاہ کوئی خاص مرض تو تشخیص نہیں کر سکا۔ البتہ سُست اور مضمحل دیکھ کر . . .

اکبر۔ اسے یقین دلانا چاہتے ہیں کہ وہ بیمار ہے ٭

حکیم۔ ظلِّ الٰہی۔ غلام کی ذمّہ داری . . . .

اکبر۔ تم علیل نہیں تو پھر یہ کیا ہے شیخو۔ کہ ہر ایک تمہاری بے توجّہی کا شاکی ہے نہ تمہیں اپنی تعلیم کا خیال ہے نہ ضروری مشاغل کا۔ سواری کو تم نہیں نکلتے شکار کو تم نہیں جاتے۔ تم دسترخوان تک پر نظر نہیں آتے۔ آخر کیوں ؟ تم اپنے باپ کے سامنے حاضر ہونے میں اپنی توہین سمجھتے ہو۔ یا دیکھنا چاہتے ہو۔ کہ اگر تم اُس کے پاس نہ جاؤ تو وہ کب تک بے صبر نہیں ہوتا۔ تم نے دیکھ لیا ؟ تم خوش ہو اب ؟

سلیم۔ مَیں شرمندہ ہوں ٭

اکبر۔ نہیں شاید تم یہ بھی دیکھنا چاہتے ہو۔ کہ مامتا کب تمہاری ماں کو حرم کی چار دیواری سے باہر کھینچ کر لاتی ہے۔ کیوں شیخو۔ ماں کے بُلانے پر ہر مرتبہ عُذر

کر بھیجنا پھر اَور کیا معنی رکھتا ہے ؟
سلیم۔ مَیں ابھی ان کی خدمت میں حاضر ہُوں گا ۔
اکبر۔ تُم کو اگر ماں باپ کی پروا نہیں تو وہ بھی تم سے بے پروا ہو سکتے ہیں ۔
سلیم۔ میں مُعافی چاہتا ہوں ۔
اکبر۔ مَیں جانتا ہُوں یہ معافی اکبر بادشاہ سے ہے۔ اکبر باپ سے نہیں۔ بادشاہ تمہیں معاف کرتا ہے۔ باپ اظہارِ افسوس سے کچھ زیادہ چاہتا ہے ۔
(سلیم کے آنسو نکل آتے ہیں)
آنسُو ! بادشاہ بھی تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔ معاف نہیں کر سکتا سلیم۔ وُہ مغل شہزادوں کو سیاست کی اُلجھنوں میں مجنون دیکھ سکتا ہے۔ وہ انہیں ہوسِ مُلک گیری میں گرفتار دیکھ سکتا ہے۔ وُہ جانتا ہے اُن کے زخموں سے کیا کرے۔ وہ جانتا ہے اُن کی سر بُریدہ نعشوں کو کیا کرے۔ مگر آنسُو۔ آنسُو . . . جا اپنی ماں کے پاس جا۔ ان آنسُوؤں کو تُو اُس کے ہاتھ بیچ سکتا ہے . . . جاؤ سلیم !
(سلیم سر جُھکائے آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہُوا حرم کی طرف جاتا ہے۔ اکبر کھڑا دیکھتا رہتا ہے)
بیوقوف لڑکا . . . چلئے حکیم صاحب (چلتے چلتے ٹھہر کر) بختیار۔ تم شیخو کے آنے تک یہیں ٹھہرو۔ تنہائی میں وُہ پھر آنسُو بہائے گا . . . احمق . . . چلئے حکیم صاحب (چلتے چلتے پھر ٹھہر کر) یا تُم بھی ہمارے ساتھ آؤ۔ بختیار۔ ہم ایک اَور طرح اُس کی اشک شوئی کرنا چاہتے ہیں ۔

(سب بائیں دروازے سے بیرونی حصّے کو چلے جاتے ہیں ؎

جب ایوان خالی ہو چکتا ہے تو حرم کے دروازے کے پردے ہلتے ہیں۔ اور دلارام سر نکال کر جھانکتی ہے۔ جب اطمینان ہو جاتا ہے کہ کوئی موجود نہیں۔ تو دبے پاؤں ادھر اُدھر دیکھتی ہوئی اندر آجاتی ہے۔ ہر طرف دیکھ کر اطمینان کرتی ہے۔ کہ کوئی واپس نہ آ رہا ہو۔ پھر مسند کی طرف بڑھتی ہے۔ اور تکیے اُٹھا اُٹھا کر دیکھتی ہے۔ ایک تکیے کے نیچے سے اسے انار کے پھولوں کا رومال مل جاتا ہے۔ دلارام ادھر اُدھر دیکھ کر رومال کھول لیتی ہے)

دلارام۔ پھول! —— پھر چھپائے کیوں! انار کے پھول! . . . کیا تھا؟

پھول ہاتھ میں لئے وہ سوچ میں پڑ جاتی ہے۔ قدموں کی آہٹ سن کر یک لخت چونکتی ہے۔ اور بیرونی دروازے کی طرف دیکھتی ہے۔ گھبرا کر واپس آتی ہے۔ اور پھول تکیے کے نیچے رکھ کر حرم کے دروازے کی طرف بھاگتی ہے اُدھر سے بھی گھبرا کر واپس آتی ہے۔ پریشانی کے عالم میں کھڑی ہو جاتی ہے اور چھپنے کے لئے جگہ دیکھتی ہے۔ آخر دوڑ کر دائیں ہاتھ کے وسطی دروازے کے پردے کے پیچھے چھپ جاتی ہے ؎

بختیار داخل ہوتا ہے۔ اُس کے ہاتھ میں ایک جڑاؤ انگشتری ہے۔

بختیار۔ بادل گرج چکتا ہے تو میٹھا پانی برستا ہے۔ کتنا بڑا ہیرا۔ کس قدر عمدہ تراش!

(سلیم سوچ میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا داخل ہوتا ہے)

سلیم۔ کیا سوچ رہے ہو تم؟ یقیناً ظلِ الٰہی کی فہمائش سے تم آزردہ نہیں ہوئے؟ آزردہ نہیں نا؟ وہ تمہارے باپ ہیں۔ اور وہ باپ جو تمہارے لئے متحد

ہندوستان کی سلطنت تیار کر رہے ہیں۔ اور اگر اس کیلئے وہ تمہیں بھی ایک خاص رنگ میں دیکھنے کی توقع رکھیں تو قابلِ الزام نہیں۔ نہیں نا سلیم؟ اور کیا قصور تمہارا نہ تھا؛ پھر بھی ان کی اُلفت دیکھو۔ اُنھوں نے تمہارے لئے یہ تحفہ بھیجا ہے۔ دربار میں جو فرنگی جوہری آئے ہیں۔ اُنھوں نے اپنے مُلک کے ڈھنگ پر اس انگشتری کا نگینہ تراشا ہے۔ دیکھو تو کتنا بڑا کس قدر خوبصورت۔ لاؤ مَیں تمہیں پہنا دُوں (ہاتھ پکڑ کر انگشتری پہنا دیتا ہے) تُم تو ویسے ہی خاموش ہو!

سلیم۔ میں کچھ اَور سوچ رہا ہُوں بختیار۔

بختیار۔ کیا؟

سلیم۔ مَیں واپس آ رہا تھا تو مجھے راستے میں ثریّا ملی۔

بختیار۔ پھر؟

سلیم۔ اُس نے کہا۔ انارکلی آج کل چاندنی راتوں میں باغ میں جاتی ہے۔

بختیار۔ تو؟

سلیم۔ مَیں آج باغ میں اس سے ملنا چاہتا ہُوں (مسند پر بیٹھ جاتا ہے)

بختیار۔ محبت نے تم کو بالکل دیوانہ بنا دیا ہے سلیم۔ باپ کی اتنی خفگی اور اتنی ذرا سی دیر میں پھر اتنی بڑی جُرأت۔

سلیم۔ ہاں لیکن چاندنی راتیں پھر نہ رہیں گی۔

بختیار۔ (سلیم کے سامنے مسند پر بیٹھ کر) تم کیوں انارکلی سے ملنا چاہتے ہو سلیم؟ اگر تمہیں معلوم ہو گیا وہ بھی تمہیں چاہتی ہے جو تمہارے لئے وقت کاٹنا قیامت

نہ ہو جائے گا ؟

سلیم۔ اور اب یہ معلوم ہو کر کہ تنہائی میں اس سے مل لینے کا موقع بھی ہے میں اگر نہ ملا۔ تو جینا عذاب نہ ہو جائے گا ؟ (دونوں اپنے اپنے فکر میں سر جھکا لیتے ہیں دلارام پردے میں سے جھانکتی ہے۔ اور دونوں کو غافل دیکھ کر دبے پاؤں باہر نکل جاتی ہے۔ جب وہ گذر چکتی ہے تو)

بختیار۔ (چونک کر) کون ؟

سلیم۔ (اِدھر اُدھر دیکھ کر) کوئی نہیں ؛

بختیار۔ (جس دروازے سے دلارام باہر نکلی ہے اس کی طرف اشارہ کر کے) دیکھو۔ پردہ ہل رہا ہے ؛

سلیم۔ ہوا ہے ؛

بختیار۔ نہیں کوئی باہر گیا ہے ؛

(دونوں بھاگ کر دروازے کی طرف جاتے اور دائیں بائیں دیکھتے ہیں۔ کوئی نظر نہیں آتا) ؛

پردہ

منظرِ سوم

حرم سرا میں ایک غلام گردش جس کے ساتھ صحن کا کچھ حصّہ نظر آ رہا ہے ؎

نمازِ مغرب ادا ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت ہو چکا ہے۔ بیگمیں اور شہزادیاں نشاط و طرب کی محفلوں میں شامل ہونے کے لئے سنگھار کر کے اپنے اپنے حجروں سے رخصت ہو چکیں کنیزیں اور خواجہ سرا بعد کے مقررّہ فرائض انجام دے کر ان کی خدمت میں پہنچ چکے۔ اب نہ کوئی آواز ہے نہ حرکت۔ تھوڑی دیر پہلے بیگموں کی صداؤں اور کنیزوں اور خواجہ سراوں کے شور و غل سے جو ہنگامہ برپا تھا اس کا خیال آجانے سے یہ مقام اب ویران اور اُداس اُداس معلوم ہوتا ہے ؎

چاند ابھی نہیں نکلا صحن اور غلام گردش میں ابھی تاریکی ہے۔ بیگموں کے حجروں میں البتہ شمعیں روشن ہیں۔ اور ان کی روشنی پردوں میں سے نکل کر صحن میں اور غلام گردش کے ستونوں پر اُجالے کے دھبّے ڈال رہی ہے۔ دُور سے گانے بجانے کی ہلکی ہلکی آواز آ کر منظر کو افسردہ تر بنا رہی ہے ؎

دلارام اکیلی ایک ستون کا سہارا لیے کسی گہری سوچ میں چُپ چاپ کھڑی ہے۔ ایک حجرے کی چق میں سے روشنی چھن چھن کر پتلی پتلی اور بے شمار لکیروں میں اس پر پڑ رہی ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد گہری آہ بھرتی ہے۔ اور پھر خیال میں غرق ہو جاتی ہے ۔

عنبر اور مروارید ایک طرف سے باتیں کرتی ہوئی داخل ہوتی ہیں ۔

مروارید۔ تجھے میری جان کی قسم ؟

عنبر۔ اب آنکھوں دیکھی تو کہہ نہیں رہی کانوں سُنی کہہ رہی ہوں ۔

مروارید۔ کہ صاحب عالم کھڑے ثریا سے باتیں کرتے رہے ؟

عنبر۔ راحت کہتی ہے۔ اللہ جانے سچ ہے یا جھوٹ ۔

مروارید۔ بڑی بہن انارکلی بنی۔ دیکھئے چھوٹی (دلارام کو دیکھ کر رک جاتی ہے) یہ کون ؟

عنبر۔ (غور سے دیکھ کر) دلارام نہیں ؟

مروارید۔ وُہی تو ہے (قریب جا کر) چُپ چُپ کیسی کھڑی ہو دلارام ؟

دلارام۔ (چونک کر) نہیں تو ۔

عنبر۔ چُپ چُپ کیسے نہ ہوں۔ چوٹی پر سے ایک دم گڑھے میں جا پڑیں۔ یہ کیا تھوڑی وجہ ہے ۔

مروارید۔ مگر اب کُڑھنے سے کیا ہوتا ہے۔ جیسے وُہ بات نہ رہی۔ ویسے ہی اللہ چاہے تو یہ بھی نہ رہے گی ۔

عنبر۔ جس پہ گذرے وُہی جانتا ہے کچھ ۔

مروارید۔ (دلارام کو اسی طرح فکرمند دیکھ کر) اے بہن میں کہتی ہوں چُپ شاہ کا روزہ

رکھا ہے کیا ؟ خدا کے لئے بولو تو دلارام ؏

دلارام۔ (خیال سے چونک کر) مجھ سے کہا ؟

مرواریدہ۔ (عنبر سے) لے عنبر بھی نہیں (دلارام سے) یہ حالت کیا ہے۔ اچھا خاصہ سوگ منا بیٹھیں تم تو ؏

عنبر۔ معلوم ہوتا ہے کسی نے کوئی چبھتی ہوئی بات کہہ دی ہے ؏

مرواریدہ۔ اور تم نے ثریا کا ——

دلارام۔ (یک لخت) میں کہتی ہوں عنبر ——

عنبر۔ کیا ؟

دلارام —— نہیں کچھ نہیں ؏

مرواریدہ۔ اے واہ کہتے کہتے ٹلا گئیں ؏

عنبر۔ تمہیں ہماری قسم۔ کیا کہنے لگی تھیں بہن ؟

دلارام۔ (چلنے کو تیار ہوتے ہوئے) کچھ نہیں ؏

عنبر۔ (لجاجت سے) اچھی بتا دو ؏

دلارام۔ دیوانی ہوئی ہے ؏

مرواریدہ۔ یہ چبا چبا کر باتیں کرنا ہمیں نہیں اچھا معلوم ہوتا۔ ساتھ کی اُٹھنے بیٹھنے والیوں سے کیسا پردہ ؟

دلارام۔ (کچھ تامّل کے بعد پھر ستون کا سہارا لے لیتی ہے) میں پوچھتی تھی۔ انارکلی بہت خوبصورت ہے ؟

عنبر۔ بدصورت تو نہیں۔ پر خدا نہ کرے جو کہیں صبح کو صورت دکھائی دے جائے

کھانا تو نصیب ہو نہ دن بھر ؂

مروارید۔ سچ سچ عنبر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اب روئی کہ روئی ؂

دلارام۔ (تامّل سے) مجھ سے خوبصورت ہے؟

عنبر۔ کیوں پوچھتی ہو؟

دلارام۔ (کچھ توقف کے بعد) کیوں پوچھتی ہوں؟ — کیا معلوم کیوں پوچھتی ہوں؟

مروارید۔ شکل صورت میں تو تمہارے پاسنگ بھی نہیں۔ یہ اَور بات ہے۔ اس کی قسمت کا ستارا خوب چمک رہا ہے ؂

دلارام۔ (محویت میں کہیں دور دیکھنے لگتی ہے) قسمت کا ستارا! یہ قسمت کے ستارے ٹوٹا نہیں کرتے مروارید؟

مروارید۔ خوب ٹوٹتے ہیں لیکن جب ٹکّر کھاتے ہیں ؂

دلارام۔ (اسی محویت میں) تو مروارید آج رات دو تارے ٹکرائیں گے (توقّف کے بعد) کیا خبر کون سا ٹوٹے؟

عنبر۔ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو تم آج۔ کیا بات ہے؟

دلارام۔ (پُرمعنی تبسّم سے) کیا بات ہے؟ کہہ دُوں تو یہ سارا محل قیامت کا نمُونہ بن جائے — پر ابھی تو دیکھنا ہے کہ ستارہ کون سا ٹوٹتا ہے؟

مروارید۔ (گھبراکر) ہائے اللہ کیا ہے۔ مُجھ کو تو پُوچھے بغیر چین نہ پڑے گا ؂

دلارام۔ بہت بڑی بات ہے۔ اتنی بڑی کہ میرے دِل میں نہیں سما سکتی۔ تُم جاؤ مجھے ڈر ہے کہیں مَیں کہہ نہ بیٹھوں ؂

عنبر۔ اے ہے بہن۔ کیسی پہیلیوں میں باتیں کر رہی ہو۔ صاف صاف کہونا۔ مُجھے

تو مارے ہَول کے نیند نہ آئے گی رات بھر ؛

دلارام۔ تمہارے دِل مجھ سے بھی چھوٹے ہیں۔ جو بات میرے دِل کے لئے بڑی ہے اُن میں کیسے سما سکے گی ؛

(قدموں کی آہٹ سُن کر دلارام کان لگا دیتی ہے۔ اور پھر جلدی سے مُڑکر دیکھتی ہے۔ ایک حُجرے سے جو روشنی نکل رہی ہے۔ اس میں نظر آتا ہے کہ انارکلی آ رہی ہے)

—— ارے دیکھو۔ وہ انارکلی آ رہی ہے۔ جاؤ چلی جاؤ۔ پھر بتاؤں گی اِس وقت کچھ نہیں ؛

(عنبر اور مروارید گھبرائی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ دلارام ایک ستون کے پیچھے چُھپ کر کھڑی ہو جاتی ہے ؛

انارکلی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی آتی ہے۔ اور ایک ستون کے ساتھ ماتھا ٹیک کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ پھر رخسار ٹھنڈے ستون کے ساتھ لگا دیتی ہے اور آہ بھرتی ہے ؛

ثریا داخل ہوتی ہے)

ثریّا۔ تُم کہاں چُھپکے سے نکل آتی ہو آپا۔ میں تو تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہار گئی ؛

انارکلی۔ کیوں ڈھونڈ رہی تھیں ؟

ثریّا۔ ایسے ہی —— آپا مجھے بیٹھے بیٹھے خیال آتا ہے تم کہیں رو نہ رہی ہو۔ بس میں گھبرا کر اُٹھتی ہوں اور تمہیں ڈھونڈنے لگتی ہوں ؛

انارکلی۔ (کچھ دیر ثریّا کو تکتی رہتی ہے۔ پھر محبّت سے اس کا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام

یقین ہے) تمہیں مجھ سے بہت محبت ہے ثریّا ؟

ثریّا۔ محبت؟ میری آپا۔ میں تمہارے لئے مرجانا چاہتی ہوں ؂

انارکلی۔ (ثریّا کو لپٹا کر) میری ننھّی ثریّا ؂

ثریّا۔ (لیٹے لیٹے سر پیچھے ڈال کر) تم کیا سوچ رہی تھیں آپا ؟

انارکلی۔ کیا سوچ رہی تھی؟ (توقّف کے بعد) میں سوچ رہی تھی۔ میں نے لیلیٰ کے گلے میں گھنگرو باندھ رکھے ہیں۔ وہ جب باغ میں چلتی ہے تو باقی سب ہرنیاں اسے چونک کر تکنے لگتی ہیں۔ لیلےٰ خوش ہوتی ہوگی ؟

ثریّا۔ (الگ ہوکر غور کرتے ہوئے) یہ کیا بات ہوئی ؟

انارکلی۔ گھنگروؤں کی آواز سے وُہ خود ٹھٹک کر رہ جاتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں اب وُہ بات نہیں رہی۔ کہ لیٹی ہے اور دُور کے چشمے اور کہسار نظروں میں ہیں۔ ذرا ہلی اور سہم گئی۔ میں نے سہانی یاد بھی اس سے چھین لی ؂

ثریّا۔ (شبہ سے) تم لیلےٰ کے لئے اُداس ہو رہی ہو ؟

انارکلی۔ یُوں ہی بیٹھے بیٹھے اس کا خیال آگیا تھا ؂

ثریّا۔ لیلیٰ کا خیال تو اِس وقت آیا۔ اور باقی وقت کیا سوچتی رہیں۔ تم تو ہر وقت ہی گم سُم رہتی ہو۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے آج کل ؟

انارکلی ـــــ سچ مچ ثریّا۔ مجھے کیا ہوگیا ہے! (تامّل کے بعد) پہلے میں کتنی ہشاش بشاش رہتی تھی۔ پھولوں میں سے آئی تھی۔ اور میرے دائیں بائیں پھول ہی پھول تھے۔ ناچتی گاتی اور ہنستی کھلکھلاتی چلی جارہی تھی۔ مجھ میں بلا کی بےفکری اور گیت کی رونق تھی۔ دُنیا اپنی خوشیوں کا ایک ایک قطرہ میرے لئے

نچوڑ دیتی تھی ؎

ثریّا۔ پھر اب تمہیں کیا ہو گیا ؟

انارکلی۔ نہ جانے کیا ہو گیا (کچھ دیر بعد) مَیں چاہتی ہُوں الگ تھلگ اور چُپ چاپ بیٹھی رہُوں۔ لیکن ثریّا۔ جب میں یُوں بیٹھتی ہُوں۔ تو سوچنے لگتی ہُوں۔ چاہتی ہُوں کچھ نہ سوچوں۔ آنکھیں میچتی ہُوں۔ دانت بھینچتی ہُوں۔ مُٹھّیاں بند کر لیتی ہُوں۔ پھر بھی سوچ میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ آہ کی طرح دل سے اُٹھ کھڑی ہوتی ہے ؎

ثریّا۔ کیسی سوچ ؟

انارکلی۔ (غور کر کے) میں اس کا کوئی نام نہیں رکھ سکتی۔ وہ ٹکڑے ہیں۔ چاہتے ہیں جُڑ کر ایک بن جائیں۔ مَیں انہیں نہیں جُڑنے دیتی۔ بکھیر بکھیر دیتی ہوں لیکن اُن میں میرے ارادے سے بہت زیادہ طاقت ہے۔ وہ بار بار ہلّہ کر کے آتے ہیں اور آخر مجھے مغلوب کر لیتے ہیں۔ مَیں نہیں نہیں کہتی ہوئی بے ہوش سی ہو جاتی ہُوں۔ اس وقت مجھے اس کے سوا اَور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا ہے۔ اور میرے تمام جسم سے چنگاریاں نکل رہی ہیں ؎

ثریّا۔ مَیں نے کئی بار دیکھا ہے جیسے تم اپنے آپ کو بھُولی ہوئی بیٹھی ہو ؎

انارکلی۔ اور پھر جب مجھے کوئی بلاتا ہے۔ تو مَیں چونک کر کانپ اُٹھتی ہُوں کہ میری بے خبری میں اُس نے میری سوچ کو میرے چہرے پر برہنہ نہ دیکھ لیا ہو ؎

ثریّا۔ یہ تُم کیسی باتیں کر رہی ہو آپا !

انارکلی۔ عجیب باتیں ہیں نا ثریّا۔ اسی لئے تو مَیں کسی سے بات نہیں کرتی چُور چُور

جسم اور زخمی دماغ لئے اپنی سوچ سے آپ ہی بچتی پھرتی ہوں ؛

ثریا۔ میری آپا۔ پھر میں کیا کروں۔ بتاؤ تو تم کیا چاہتی ہو ؟

انارکلی۔ میں کیا چاہتی ہوں !(سوچ کر محویت کے عالم میں) میں اس محل میں گھُٹتی جا رہی ہوں ثریا ———— کاش میں آزاد ہوتی ———— ایک کشتی میں بیٹھ کر اُسے راوی کی چپ چاپ لہروں پہ چھوڑ دیتی۔ اور چاندنی رات میں خوشبوؤں اور بانسریوں کی آوازوں کے درمیان یہی کشتی چلی جاتی۔ چلی جاتی اور اُفق سے جا ٹکراتی ؛

ثریا۔ (حیرانی سے انارکلی کو تکتے ہوئے) ہئی ہے !

انارکلی۔ (اسی محویت میں) یا پھر میں ایک رتھ پہ سوار ہوتی۔ اور دو گھوڑے شعلوں کی زبان کی طرح بے تاب اُسے کھینچ رہے ہوتے۔ یوں جیسے میں ہوا پہ بجلی کی طرح جا رہی ہوں۔ اور دو مضبوط بازوؤں نے مجھے جکڑ رکھا ہو !؛

ثریا۔ (جیسے اسی قسم کے کسی اشارے کی منتظر تھی) کس کے بازو ؟ اچھی کس کے بازو ؟

انارکلی۔ (یک لخت کسی قدر بگڑ کر) چپ ہو جاؤ ثریا۔ میں نہ بولوں گی اب ؛

ثریا۔ (شوخی سے) میں سمجھ گئی آپا۔ اتنی ننھّی تو نہیں ؛

انارکلی۔ (تنگ آکر) میں کیا جانوں ؛

(یک لخت رخصت ہو جاتی ہے)

ثریا۔ کیا باغ میں جا رہی ہو آپا ؟ جاؤ جاؤ۔ میں جانتی ہوں کس کے بازو۔ میں خوب جانتی ہوں وہی بازو تو وہاں تمہارا انتظار کر رہے ہیں ؛

(ہنستی ہوئی جاتی ہے۔ دلارام ستون کے پیچھے سے نکلتی ہے)

دلارام۔ وہی بازو انتظار کر رہے ہیں۔ اور کیا بجلیاں بے تاب نہیں ہو رہی ہیں
انارکلی تُو میری رقیب نہیں۔ میں تیری حریف نہیں۔ یہ تو ستاروں کے کھیل
ہیں۔ کون ان کی پراسرار چال کو سمجھ سکتا ہے۔ اور کون جانے جب وُہ
ٹکرائیں گے تو پھر کیا ہوگا۔

(انارکلی کے پیچھے پیچھے جاتی ہے)

پردہ

منظرِ چہارم

حرم سرا کے پائیں باغ کا ایک الگ تھلگ حصّہ ۔

رات ابھی زیادہ نہیں گذری۔ دس بارہ دن کا چاند باغ کی رعنائیوں میں کیف و مستی کی دلاویزیاں پیدا کر رہا ہے ۔

باغ کے اس حصّے میں سنگِ مرمر کا ایک نسبتاً چھوٹا سا اور دو تین سیڑھیاں اونچا حوض ہے جس کے ننھے ننھے فواروں کی آب افشانی حوض میں چاند کو گدگدا گدگدا کر بے قرار کر رہی ہے حوض کے چاروں کناروں سے چار منقش روشیں جن کے دونوں طرف پھول دار جھاڑیاں ہیں۔ باغ کی چار دیواری تک چار چھوٹی چھوٹی سہ دریوں کو جاتی ہیں۔ یوں باغ کا یہ حصّہ چار سرسبز قطعوں میں تقسیم ہوگیا ہے۔ جن میں خوش قطع کیاریاں اور پھلوں کے گھنے درخت ہیں۔ پھیکے آسمان کے مقابل یہ گھنے درخت سیاہی کے بڑے بڑے بے وضع مگر دلکش دھبے معلوم ہوتے ہیں سامنے کی سہ دری اور اس کے آس پاس کے لمبے لمبے اور پتلے سرو فاصلے پر ایک سیاہ تصویر نظر آ رہے ہیں۔ باغ کے سکوت میں جھینگروں کی آواز کے سوا اور کچھ مخل نہیں ۔

انارکلی۔ (حوض کے کنارے اکیلی گھٹنوں پر سر رکھے ہلکی ہلکی سسکیاں بھر رہی ہے۔ اس کا ستار اُس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر سیڑھی پر گر پڑا ہے)

(تھوڑی دیر بعد سر اُٹھاتی ہے۔ اور رُخسار گھٹنوں پر رکھ لیتی ہے) سلیم! تمہیں کیا مل گیا! میری نیندوں کو لُوٹ کر۔ میری راحت کو غارت کر کے تمہیں کیا مل گیا سلیم! پھر تم نے کیوں محبت کے پیغام بھیجے۔ کیوں سُلگتی ہوئی چنگاری کو دہکا دیا! یہ ہنسی تھی؟ یہ سب ہنسی ہی تھی۔ مگر عالی مرتبت شہزادے کمزور۔ بے بس کنیز سے ہنسی! اِس قیامت کی ہنسی! اُس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا! (پھر گھٹنوں پر سر رکھ کر سسکیاں بھرنے لگتی ہے)

سلیم جھاڑیوں کے اُوپر سے جھانکتا اور پچھلی روش پر آ جاتا ہے۔ کچھ دیر پیچھے ہی کھڑا رہتا ہے۔ گویا متامّل ہے کہ آگے آئے یا نہ آئے۔ آخر آہستہ آہستہ چلتا ہوا آگے آتا اور حوض کے کونے کے قریب خاموش کھڑا ہو ہو جاتا ہے ٭

سلیم۔ (کچھ دیر بعد آہستہ سے) انارکلی!

انارکلی۔ (چونک کر سہم جاتی ہے) کون؟

سلیم۔ (سامنے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے) سلیم ٭

(انارکلی سلیم کو دیکھ کر خوف اور پریشانی کے عالم میں کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس کی یہ کیفیت ہے۔ گویا اسے سکتہ ہو گیا ہے)

سلیم۔ (قریب آ کر) تم کھڑی ہو گئیں انارکلی! یہاں بھی شہنشاہ کا آہنی قانون؟ ہم تو تاروں بھرے آسمان کے نیچے کھڑے ہیں۔ یہاں کا قانون دُوسرا ہے۔

بُہت مُختلف ! آؤ میں تم کو سکھاؤں ۔

(انارکلی کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا دیتا ہے۔ انارکلی یوں بیٹھ جاتی ہے۔ جیسے کل کی گڑیا ہے۔ کہ پیچ دبا دینے پر بیٹھنے کے سوا چارہ نہیں۔ سلیم خود کھڑا رہتا ہے)

کاش شہنشاہ کا بھی یہی قانون ہوتا ۔

(انارکلی اِس طرح بیٹھی ہے۔ گویا اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ اور اس کے پاس کون ہے۔ سلیم منتظر ہے کہ شاید وُہ کچھ بولے۔ آخر خود گفتگو شروع کرنے کی کوشش کرتا ہے)

ابھی ابھی تم کچھ بول رہی تھیں۔ پھر اب تم چُپ کیوں ہو انارکلی ؟

(انارکلی کے چہرے پر یا آنکھوں میں کوئی ایسی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ جس سے ظاہر ہو۔ کہ اس نے کچھ سُنا یا سمجھا ہے۔ سلیم نہیں جانتا۔ کہ کیا کہے)

میرا آنا تمہیں ناگوار ہُوا ؟

(انارکلی اب بھی کھوئی ہوئی بیٹھی ہے۔ اور رچی ہوئی نظروں سے سامنے کہیں دُور تک رہی ہے)

ہاں میں مُخل ہُوا۔ میں تمہاری تنہا خوشیوں میں مُخل ہُوا۔ مگر پھر میں کیا کرتا انارکلی ۔

(توقف کے بعد)

کاش تمہیں معلوم ہوتا۔ پوری طرح معلوم ہوتا ۔

(انارکلی پر وہی نیم بے ہوشی کی سی کیفیت رہتی ہے۔ سلیم کی جھجک دُور

ہوتی جا رہی ہے)

تم نہیں جانتیں تم نے کیا کر دیا۔ مَیں خود بھی نہیں جانتا۔ سب نہیں جانتا انارکلی (تامل کے بعد) تم نے میری تمام آسائشوں۔ تمام راحتوں کو اپنی ہستی میں سمیٹ لیا۔ تم نے میری تمام کائنات کا رس چوس لیا۔ اے نازنین! تم ایک معجزے کی طرح میرے سامنے آئیں۔ اور میری آرزوؤں کی نیند ٹوٹ گئی۔ تم نے اپنی حیران نظروں سے مجھ کو دیکھا۔ اور میری رُوح میں لامتناہی محبت کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ تم چلی گئیں اور میری تمام دُنیا تمہاری آرزو میں دھڑکتی رہ گئی ؏

(سلیم محبت کے جوش میں انارکلی کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ انارکلی چونک کر سر جھکا لیتی ہے اور خاموش رہتی ہے)

تم چُپ ہو انارکلی (آہ بھرتا ہے) مَیں جانتا ہُوں۔ مجھ کو نہ آنا چاہئے تھا۔ مگر بے بس پروانے کا کیا قصور ——— اور یہ کتنی بڑی ترغیب تھی۔ پھر ایک بار گم شُدہ فردوس کی جھلک ——— اور مَیں انسان ہُوں کمزور انسان۔ مَیں دُنیا سے تھک گیا تھا۔ مَیں اپنے آپ سے تھک گیا تھا ؏

(انارکلی کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ سُن رہی ہے۔ اس سے اسے تکلیف پہنچ رہی ہے۔ لیکن اس کی زبان اب بھی بند ہے۔ سلیم مایوس ہوکر اس کا ہاتھ چھوڑ دیتا ہے)

تم اب بھی چُپ ہو۔ پھر میں جاتا ہُوں۔ تُم نے ایک جانباز کے بیٹے کو

اُس کی زندگی کی قیمت بتادی۔ انارکلی ایک جانباز کے بیٹے کو۔ میں جانتا ہوں ٭

(سلیم سر جھکائے مایوسی کی تصویر بنا۔ رخصت ہونے کے لئے مڑجاتا ہے انارکلی سر اُٹھا کر ایک محویت کے عالم میں اسے دیکھتی رہتی ہے۔ ذرا دیر بعد الفاظ خود بخود اس کی زبان پر آجاتے ہیں)

انارکلی۔ شہزادے۔ کنیز مذاق کا کیا جواب دے سکتی ہے۔ اس کا کام تو یہ داشت کرنا ہے۔ خواہ مذاق اس کے دل کے ٹکڑے کر ڈالے ٭

سلیم۔ (لپک کر اُس کے قریب آجاتا ہے) مذاق! خدایا آہیں اتنی بے اثر! آنسو اتنے بے ثمر! انارکلی یوں بھی سمجھا جاسکتا تھا۔ تم نے یُوں کیوں سمجھا؟

انارکلی۔ (چھنگلی سے گوشۂ چشم کا آنسو پونچھتی ہے) پھر میں کیا سمجھتی۔ ہندوستان کا نیا چاند ایک چکور کو چاہتا ہے۔ کیسی ہنسی کی بات! آہ تم شہزادے ہو۔ بڑے بہت بڑے۔ میں ایک کنیز ہوں ناچیز۔ بے حد ناچیز۔ شہزادہ کنیز کو چاہے گا؟ کیسی ہنسی کی بات!

سلیم۔ (ایک لمحہ متامل رہ کر) اب بھی تیرے دل میں شُبہ موجود ہے۔ تو اَے انارکلی! اَے اِس دل کی ملکہ! لے ہندوستان کو اپنے قدموں میں دیکھ (سلیم گھٹنوں کے بل ہوکر انارکلی کا ہاتھ تھام لیتا ہے۔ اور فرطِ محبت سے اسے چُومتا ہے)

انارکلی۔ آہ! آہ! (بیتاب ہوکر کھڑی ہوجاتی ہے)

سلیم۔ (اُٹھتے ہوئے) انارکلی۔ میری اپنی انارکلی۔ تُو میری ہے۔ صرف میری ہے ٭

(ہاتھ پکڑ کر اُسے سیڑھی سے اتارتا ہے اور آغوش میں لے لیتا ہے)

انارکلی۔ صاحب عالم ، صاحب عالم! (جذبات کی شدّت سے ہانپ رہی ہے۔ اپنے آپ کو سلیم کی آغوش میں چھوڑ دیتی ہے۔ سلیم اسے چُوم لیتا ہے۔ انارکلی یک لخت آغوش سے علیحدہ ہوکر دور ہٹ جاتی ہے) یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ یہ ہو بھی گیا تو زمین اپنا مُنہ پھاڑ دے گی۔ آسمان اپنے پنگل بڑھا دے گا یہ خوشی دُنیا کی برداشت سے باہر ہے۔ اس کا انجام تباہی ہے۔ شہزادے جاؤ بھُول جاؤ +

سلیم۔ (اس کے قریب جاکر محبت سے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیتا ہے) ہم دونوں ایک دوسرے کے سینے سے چمٹے ہوئے ہوں تو پھر کوئی خوف نہیں۔ آسمان ہمیں کھینچ لے۔ اور ہم نئی روشنیوں میں اُٹھتے چلے جائیں۔ زمین ہمارے پیروں کے نیچے سے سرک جائے۔ اور ہم نامعلوم اندھیروں میں گرتے چلے جائیں۔ تمہارے بازو ڈھیلے نہ پڑیں تو یہ سب شیریں ہوگا انارکلی بے انتہا شیریں (سلیم کا آغوش تنگ ہوتا چلا جا رہا ہے)

انارکلی۔ (تقریباً سانس میں) اللہ یہ ممکن ہے! پھر اس کا انجام کیا ہوگا! اللہ اس کا انجام کیا ہوگا!

سلیم۔ انجام مجھ سے پُوچھو انارکلی ؛

انارکلی۔ (یک لخت تڑپ کر الگ ہوجاتی ہے) آہ ٹھہرو۔ سُنو! (آواز پر کان لگا دیتی ہے۔ آخر بے تابی سے) کوئی ہے۔ شہزادے کوئی ہے۔ جاؤ تم چلے جاؤ ؛

سلیم۔ (آہٹ لینے کے لئے کان آواز پر لگاتا ہے۔ پھر بے فکری سے) کوئی نہیں ؛

انارکلی۔ (سراسیمگی کے عالم میں سر ہلا رہی ہے) اوہ نہیں۔ قدموں کی آواز تھی (یک لخت کانپ کر آہستہ سے) وُہ دیکھو کسی کا سایہ۔ بھاگ جاؤ۔ شہزادے بھاگ جاؤ ﴿

سلیم۔ (رخصت ہوتے ہوئے ہاتھ پکڑ کر) تم پھر مجھ سے ملو گی ؟

انارکلی۔ (ہاتھ اُٹھا کر) ہاں۔ مگر میری خاطر ﴿

(سلیم لپک کر حوض کے دوسری طرف جاتا ہے۔ اور روش سے اُتر کر کنارے کی جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو جاتا ہے۔ انارکلی سہمی ہوئی دونوں ہاتھوں سے سینہ تھامے کھڑی ہے)

اللہ! میرے اللہ!

(دلآرام بڑے اطمینان سے داخل ہوتی ہے)

دلآرام۔ (طنز کے تبسّم سے) تم یہاں ہو انارکلی ؟

(دلآرام کے مُنہ سے کوئی لفظ نہیں نکل سکتا۔ پھٹی پھٹی نظروں سے دلآرام کو تکتی رہتی ہے)

اور تم تنہا ہو ؟

انارکلی۔ (اس کا سانس کہتا ہے) ہاں!

دِلآرام۔ (جھاڑیوں کی طرف دیکھتے ہوئے) ابھی یہاں کون باتیں کر رہا تھا ؟

انارکلی۔ (اضطراراً جھاڑیوں پر دُزدیدہ نظر ڈالتے ہوئے) کوئی نہیں ﴿

دِلآرام۔ میں باتوں ہی کی آواز سُن کر ادھر آئی تھی ﴿

انارکلی۔ (سراسیمگی سے) میں گا ــــ میں ــــ میں اپنے ہی سے باتیں کر رہی تھی ﴿

دِلآرام۔ (مُسکرا کر) تم اتنی سہمی ہوئی کیوں ہو ؟

انار کلی ۔ (اَور سراسیمہ ہوکر) نہیں تو ۔

دِلارام ۔ مَیں جانتی ہوں انار کلی ۔

انار کلی ۔ (جیسے بجلی گر پڑی) کیا ؟

دِلارام ۔ یہاں کون موجود تھا ؟

انار کلی ۔ (سہم کر) کون تھا ؟

دِلارام ۔ اوہ تم مت ڈرو ۔ مَیں اِس قدر بے وقوف نہیں کہ اس کا نام ابھی اِس کا وقت نہیں ۔ لیکن یاد رکھو انار کلی ۔ مَیں جانتی ہوں ا کی قیمت بھی جانتی ہوں ۔ وہ بازار بھی جانتی ہوں جہاں یہ ف ہوسکتا ہے ۔ ہاں مَیں اس کی قیمت مقرر بھی کر چکی ہوں ۔ پر کیوں بتاؤں ۔ مَیں جاتی ہوں انار کلی بیگم ۔ پھر تم اپنے سے کرو ۔

(مذاق سے جھک کر تعظیم بجا لاتی اور رخصت ہوتی ہے)

انار کلی ۔ (بہوت ہوکر اسے تکتی رہ جاتی ہے ۔ پھر سمٹ کر ہر طرف اس طرح پریشا سے دیکھتی ہے ۔ گویا خطروں میں گھری ہوئی ہے) میرے اللہ! میرے یہ کیا ہوگیا! یہ سب خواب تھا، یہ رات ۔ سلیم ۔ دلارام ۔ کتنی جلد کچھ! کیا ہوگا ۔ ہائے اب کیا ہوگا! (کھڑی کھڑی لڑکھڑا سی جاتی ہے کے کنارے کا سہارا لیتی ہے ۔ ایک سیڑھی پر جیسے گر پڑتی ہے ۔ ہاتھ پا یوں رکھ لیتی ہے ۔ گویا دماغ میں خیالات کا جو طوفان برپا ہے ۔ اسے روک سمجھنا چاہتی ہے) ۔

(ثریّا داخل ہوتی ہے۔ انارکلی اُس کے قدموں کی آہٹ سُن کر چونک پڑتی ہے۔ اور اُسے تکتی ہے)

ثریّا۔ (ہنس پڑتی ہے) وہ آئے ؟

انارکلی۔ کون ؟

ثریّا۔ صاحبِ عالم!

انارکلی۔ (حیرت کے عالم میں اُسے دیکھتے ہوئے) یہ تو نے کیا تھا ثریّا ؟

ثریّا۔ کیا ؟

انارکلی۔ میری رُسوائی کا سامان ٭

ثریّا۔ (قریب آکر محبت اور تعلقِ خاطر سے انارکلی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتی ہے) کیا ہوا آپا۔ اُنھوں نے کیا کہا ؟

انارکلی۔ وُہی جو تُو کہا کرتی تھی ٭

ثریّا۔ پھر ؟

انارکلی۔ وُہی ہوا جو میں کہا کرتی تھی ؛

ثریّا۔ کیا ؟

انارکلی۔ (مُنہ موڑ کر) میری تیرہ بختی ——————

ثریّا۔ (انارکلی کے سامنے ہوکر) کیوں ؟

انارکلی۔ دلارام نے ہمیں دیکھ لیا ٭

ثریّا۔ ہائے دیکھ لیا !

انارکلی۔ ہاں اُسے سب کچھ معلوم ہوگیا۔ اور کچھ دیر بعد تمام دُنیا کو معلوم ہوجائے گا ٭

(انارکلی سر جھکائے آنکھیں بند کیئے فکر اور اندیشے کی تصویر نظر آرہی ہے)

ثریّا - (کھوئی ہوئی نچلی سیڑھی پر بیٹھ جاتی ہے۔ کچھ دیر بعد خاموشی سے اور گھبراکر) آپا
پھر اب کیا ہوگا؟

(انارکلی آنکھیں کھول دیتی ہے اور چپ رہتی ہے۔ خاموشی خوف ناک ہے۔
ثریا یہ معلوم کرنے کو بے قرار ہے کہ انارکلی کیا سوچ رہی ہے)
آپا ہم کیا کریں!
(انارکلی اسی طرح گم سُم بیٹھی رہتی ہے)
(ثریّا سے نہیں رہا جاتا۔ جھنجھوڑ کر) آپا!

انارکلی - (ثریّا کا ہاتھ پکڑ کر وحشت ناک نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتی ہے) ننھی تم جاؤ
جا کر سو رہو۔

ثریّا - (پریشانی کے عالم میں بہن کا مُنہ تکنے لگتی ہے) اور تُم؟

انارکلی - (بھرّائی ہوئی آواز میں) مَیں جاتی ہوں۔

ثریّا - کہاں؟

انارکلی - جہاں رُسوائیوں کا خوف نہیں۔

ثریّا - (بے قرار ہوکر کھڑی ہوجاتی ہے) آپا ——

انارکلی - (توقف کے بعد) مجھے مرجانا چاہیئے ثریّا۔

ثریّا - (جھپٹ کر) کیا کہہ رہی ہو؟

انارکلی - (کچھ دیر تیز تیز سانس لیتی رہتی ہے) موت کے سوا اب کہیں ٹھکانا نہیں۔
(کچھ دیر چُپ رہ کر) لوگ کیا سمجھیں گے۔ کیا کچھ کہیں گے۔ سوچ تو کن

نظروں سے مجھ کو دیکھیں گے۔ اس ایک ایک نظر کو برداشت کرنا ایک ایک موت کے برابر ہوگا (ذرا دیر سوچ کر) اور ثریّا۔ پھر بیگموں کا غضب۔ ظلِّ الٰہی کا عذاب اور آخر میں ذلّت کی موت (ذرا دیر متامّل رہ کر یکلخت کھڑی ہوجاتی ہے) میں ابھی مرجاؤں۔ اسی چپ چاپ میں یہ ملُول رُوح اِس دُنیا سے اکیلی رخصت ہوجائے (آب دیدہ ہوجاتی ہے) میری موت دلارام کی زبان بند کردے گی۔ اس اُمید میں بھی اطمینان ہے (ثریّا کو اشک بار دیکھ کر) تُو رو رہی ہے ثریّا؟ نہ رو ننھّی نہ رو۔ اور دیکھ امّاں کو کچھ نہ بتائیو۔

ثریّا۔ (انارکلی سے لپٹ کر روتے ہوئے) آپا۔ میری آپا۔ یہ نہیں ہوسکتا۔

انارکلی۔ (اسے الگ کرنے کی کوشش کرتی ہے) دیوانی ہوئی ہے ثریّا مجھے چھوڑ دے وقت گذرا چلا جا رہا ہے۔ چاند ڈوب جائے گا۔ اندھیرے میں مجھ کو راوی کی لہروں سے ڈر معلوم ہوگا۔ مجھے جانے دے۔

ثریّا۔ آپا۔ میری آپا! (سسکیاں بھرتی ہوئی بازو کھول دیتی ہے)

انارکلی۔ (ذرا دیر آنکھیں بند کئے خاموش کھڑی رہتی ہے۔ چہرے پر کرب کے آثار ہیں) میری ثریّا۔ میری ننھّی ثریّا (بڑے جوش سے ثریّا کو سینے سے چمٹا لیتی ہے) اب رُخصت!

ثریّا۔ آہ نہیں۔ میں تمہارے ساتھ مروں گی۔ میں تمہارے ساتھ مر سکتی ہُوں۔ تمہارے بغیر جی نہیں سکتی۔

انارکلی۔ (ثریّا کے سر پر ہاتھ پھیر کر) نہیں ننھّی۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ تم جائے جیو۔ اور

دیکھو صاحب عالم سے کہہ دینا ـــــــ

(سلیم یک لخت جھاڑیوں کے پیچھے سے نکل کر روش پر آجاتا ہے)

سلیم۔ سلیم خود سُننے کو موجود ہے ٭

ثریّا۔ (انارکلی کو چھوڑ دیتی ہے۔ اور بھاگ کر سلیم کا دامن پکڑ لیتی ہے) آہ، بچائیے ـ بچائیے۔ میری آپا کو بچائیے۔ دلارام نے دیکھ لیا۔ آپ کو اور اِن کو دیکھ لیا۔ وہ کہہ دے گی۔ سب سے کہہ دے گی۔ ہائے پھر کیا ہوگا۔ یہ مرنے کو جا رہی ہیں۔ شہزادے! شہزادے!

سلیم۔ (سامنے آتے ہوئے) یہی خدشہ مجھے راستے سے واپس کھینچ لایا (انارکلی کے قریب پہنچ کر) لیکن انارکلی! دلارام نے ہم کو اکٹھے نہیں دیکھا ٭

انارکلی۔ (سر جھکا کر) وُہ جانتی ہے۔ وہ سب کچھ جانتی ہے۔ اس کی گفتگو میں کینہ تھا۔ ایک پیاس تھی ٭

ثریّا۔ ہاں وُہ کہہ دے گی۔ مَیں اُسے جانتی ہُوں۔ وہ ضرور سب سے کہہ دے گی ٭

سلیم۔ وُہ جُرأت نہیں کر سکتی۔ اس نے دیکھا نہیں۔ وُہ کسی کو دِکھا نہیں سکتی یہ ناممکن ہے ٭

انارکلی۔ آہ تم نہیں جانتے۔ تم نہیں جان سکتے۔ تم شہزادے ہو۔ تم تک شُبہ کی نظریں نہیں پہنچ سکتیں۔ انارکلی کنیز ہے۔ صرف وہم اُس کو مروا ڈالنے کو کافی ہے ٭

سلیم۔ (جوش میں آکر) نہیں۔ انارکلی سلیم کے پہلو سے نوچی نہیں جا سکتی۔ ناممکن ہے ناممکن۔ انارکلی نہ کہو۔ یُوں نہ کہو۔ میری زندگی کی اکیلی خوشی اتنی ناچیز

نہیں۔ تم نہیں جانتیں تم میرے لئے کیا ہو۔ سلیم تمہارے بغیر نہیں جی سکتا۔ نہیں جی سکتا انار کلی، اگر تم پر آنچ آئی اُس پر قیامت آئے گی۔ تم نہ رہیں وہ نہ رہے گا۔ مَیں چھوڑ سکتا ہوں۔ ان محلوں کو۔ اِس سلطنت کو سب کو۔ تیرے ساتھ میں دُنیا کے تنگ ترین گوشے پر قانع ہو سکتا ہُوں غربت میں مُصیبت میں۔ ہر طرح، اگر سلیم مغلیہ ہند کا بادشاہ بنا تو تُو اُس کی ملکہ ہو گی۔ اگر تو نہیں وُہ بھی نہیں۔ میری انار کلی۔ میری اپنی انار کلی! (انار کلی کو آغوش میں لے لیتا ہے)

انار کلی۔ آہ! آہ! (ایک بے بس چیز کی طرح اپنے آپ کو سلیم کی آغوش میں چھوڑ دیتی ہے)

ثریّا۔ اللہ! (مخلصی کے احساس سے آنکھیں بند کر لیتی ہے)

(دلارام بغیر معلوم ہوئے حوض کے کنارے تک آ پہنچتی ہے)

دلارام۔ ہندوستان کے آئندہ بادشاہ کو اپنی ملکہ مُبارک ہو!

(انار کلی چونک کر دلارام کو دیکھتی ہے۔ اور بے ہوش ہو کر سلیم کے بازوؤں میں گر پڑتی ہے۔ ثریّا سہم کر سلیم کا دامن پکڑ لیتی ہے۔ سلیم پریشانی کے عالم میں دلارام کو دیکھتا ہے۔ دلارام کے چہرے پر طنز کا خفیف سا تبسّم ہے)

پردہ

منظرِ اوّل

سلیم کا مثمن بُرج والا ایوان ؀

جھروکے میں سے موسم بہار کی صبح کا آسمان شگفتگی اور تازگی کا نور برساتا نظر آرہا ہے ؀

ایوان میں سلیم ہے اور بختیار۔ سلیم کے بال پریشان ہیں۔ خط نہیں بنا۔ معلوم ہوتا ہے منہ تک نہیں دھویا۔ چہرے سے بے خوابی اور فکر کے آثار نمایاں ہیں۔ ایک کشمیری غرغل پہنے تکیے کے سہارے مسند پر نیم دراز رات کا واقعہ بختیار کو سُنا رہا ہے۔ بختیار کے لباس میں گذشتہ شام کی سج دھج نظر نہیں آتی۔ صاف معلوم ہوتا ہے خلافِ معمول صُبح صُبح طلب کئے جانے پر اتنی مُہلت نہیں ملی۔ کہ لباس کی تزئین و آرائش کی طرف مناسب توجّہ کر سکتا۔ مسند پر سلیم کے سامنے ہمہ تن گوش بیٹھا اندیشہ ناک نظروں سے اس کا چہرہ تک رہا ہے ؀

سلیم۔ مَیں ابھی پورے طور پر سمجھنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ کیا ہوُا۔ جو دلارام وہاں سے جا چکی تھی ؀

بختیار۔ (سلیم کے چہرے پر سے نظر ہٹائے بغیر) اور انارکلی؟
سلیم۔ جب وُہ ہوش میں آئی اس کا چہرہ نعش کی طرح پیلا تھا۔ کانپ رہی تھی۔ اور اپنی ساکت نظروں سے میری طرف تک رہی تھی۔ اور کچھ نہ بول سکتی تھی بختیار۔ خدایا کس قیامت کی گھڑیاں تھیں (واقعے کی تفصیل یاد آنے سے کھویا سا جاتا ہے)
بختیار۔ (کچھ دیر منتظر رہ کر) اور پھر؟
سلیم۔ (آہ بھر کر) میری اور ثریّا کی تسلیوں اور دروغ گوئیوں نے اس کی زبان کھلوائی۔ اور مَیں نے طرح طرح سے اطمینان دلا کر اس سے وعدہ لیا۔ کہ وُہ پھر خودکشی کی کوشش نہ کرے گی۔ (خاموش ہو کر اندیشہ ناک تفکرات میں غرق ہو جاتا ہے)
بختیار۔ (کچُھ دیر بعد کھنکار کر) مَیں نے تم کو منع بھی کیا تھا۔ مگر تم نہ مانے۔ اب تم جانتے ہو انارکلی اور تم کس قدر خطرے میں ہو۔ اتنا بڑا راز اور ایک کنیز اس سے واقف! کسی وقت کسی لمحے اس کی ناخوشی۔ اس کی ناراضی صرف اس کی بے وقوفی اس راز کے انکشاف سے تمام محل میں آگ لگا سکتی ہے۔ اور پھر اس کا انجام، ظلِّ الٰہی سا باپ اور سلیم سا فرزند۔ خُدا جانے کیا ہوگا!
سلیم۔ (حرفِ مطلب چھیڑنا چاہتا ہے) بختیار ہمیں فوراً دلارام کی زبان بند کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔
بختیار۔ (کچُھ دیر زیادہ شدّت سے غور کر کے) مجھے ڈر ہے یہ کوشش معاملات کو

بد سے بدتر نہ بنا دے ۔

سلیم۔ میں سمجھتا ہوں دلآرام صرف اس لئے وہاں آئی کہ مجھ پر ظاہر کردے۔ وہ میرے راز سے واقف ہے۔ پھر اور اس کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟ اور مجھے یقین ہے اب وہ اس راز کی واقفیت سے فائدہ اُٹھانے کی آرزومند ہوگی۔ وہ قیمت چاہے گی۔ بختیار۔ (اُس کے چہرے کی طرف یوں دیکھتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ کچھ اور کہے بغیر بختیار کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہے)

بختیار۔ (سلیم کا منہ تکتے ہوئے) اور تم قیمت ادا کرنا چاہتے ہو۔ لیکن کس قدر؟

سلیم۔ دلآرام کی توقع سے زیادہ ۔

بختیار۔ ہوں (کچھ دیر سوچتا رہتا ہے) لیکن اگر ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد وہ دوسرے لمحے خاموش رہنے کی اور قیمت چاہے۔ اور اس طرح اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ زرِ سُرخ سے پُر کرنے کی آرزومند ہو تو سلیم قارون کا خزانہ بھی وفا نہیں کر سکتا ۔

سلیم۔ (سر کی خفیف جُنبشِ اثبات کے ساتھ آنکھیں تنگ ہوتی جا رہی ہیں) ہاں۔ لیکن بختیار پھر تم جانتے ہو زندگی سے یاس شبیر کو کس قدر خوفناک بنا دیتی ہے ۔

بختیار۔ (کچھ دیر بعد سوچ سے سر اُٹھا کر) سلیم تم کچھ بھی کرو۔ تمہاری سیج میں ایک کانٹا ضرور رہے گا۔ جس کی چُبھن دلآرام کی چتون پر منحصر ہوگی۔ پھر تم کیوں نہ چھوڑ دو۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ چھوڑ دو انارکلی کو۔ اس شہر کو۔ اس خطرناک فضا کو۔ اور یہاں سے دُور فوجوں کی سرداری یا دلفریب مناظر کی خاموشی

ہیں سب کچھ بھول جاؤ ٭

سلیم۔ بختیار یہ مشورہ شہر کا ہر نان بائی مجھے دے سکتا تھا۔ تم سے مجھے زیادہ ہمدردی کی توقع تھی ٭

بختیار۔ لیکن شہزادے اس پوشیدہ محبت کا انجام ہر حالت میں خطرناک ہے محل سرا میں یہ محبت راز نہیں رہ سکتی۔ تم انارکلی کو اپنی بیگم نہیں بنا سکتے۔ پھر تم ——

سلیم۔ (بے قراری سے بات کاٹ کر) میں کیوں انارکلی کو اپنی بیگم نہیں بنا سکتا۔ اُس میں کیا نہیں جو میرے لئے ضروری ہے ؟

بختیار۔ اس میں تمہارے لئے سب کچھ ہو لیکن ظلِّ الٰہی کے لئے جن کے تم فرزند اور مغلوں کے لئے جن کی تم امید ہو کچھ بھی نہیں ٭

سلیم۔ ظلِّ الٰہی کا فرزند اور مغلوں کا ولی عہد ہونے سے پہلے میں انسان ہُوں ٭

بختیار۔ (بات کی اہمیت جتانے کو آہستہ سے) اور وُہ بھی انسان ہیں ٭

سلیم۔ (پریشان ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے) تم بحث چاہتے ہو دلیلیں چاہتے ہو۔ میں ہمدردی چاہتا ہوں مشکل کا حل چاہتا ہُوں ٭

بختیار۔ جو حل میں پیش کرتا ہُوں تم سننا اور سمجھنا نہیں چاہتے ٭

سلیم۔ تم صرف یہ چاہتے ہو میں دنیا کے خوف سے مفلوج ہو کر بیٹھ رہُوں ؟

بختیار۔ یہ خوف بُزدلی نہیں تدبّر ہے (اُٹھ کر محبّت سے سلیم کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا ہے) ایک فلسفی دُنیا کی چہ میگوئیوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ دُنیا کو مایُوس کر کے مُسکرا سکتا ہے۔ تہمتوں پر ہنس سکتا ہے محض یہ دیکھنے کو کہ کھسیانی دُنیا کیا کرتی ہے۔ ہر الزام کو قبول کر لیتا ہے۔ دنیا کو دعوتِ مقابلہ دے کر

اپنی عزلت تلخ قہقہوں میں گُذار دیتا ہے۔ لیکن ایک شہزادہ جسے دُنیا ہی نے سب کچھ بنا رکھا ہو۔ جس کے تخت کے پائے دُوسروں کے شانوں پر رکھے ہوئے ہوں۔ جس سے اطاعت کے معاوضے ہیں۔ وراثت کے معاوضے میں امیدیں وابستہ ہوں۔ وہ دُنیا کی مایوسی اور چہ میگوئی سے بے پروا ہونے کی جرأت کیونکر کر سکتا ہے؟

سلیم۔ (تلخ حقائق سے گھبرا کر بختیار کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتا ہے) لیکن بختیار۔ رات گُذر چکی۔ ضبط اور ایثار کا موقع جاتا رہا۔ مَیں اپنا دِل کھول کر انارکلی کے سامنے رکھ چکا۔ اب تم یہ چاہتے ہو۔ تمہارا سلیم ایک کمزور اور بے بس لڑکی کی نظروں میں دروغ گو اور سنگ دِل ثابت ہو؟

بختیار۔ (کچھ دیر چُپ رہ کر) اگر تم نے ایک غلطی کا علاج دُوسری غلطی سے کیا۔ تو تم غلطیوں کے انبار کے نیچے دب جاؤ گے (توقف کے بعد) تم اپنے الفاظ سے پھر و گے۔ لیکن ایک اہم تر مقصد کے لئے تم دُودمانِ مغلیہ کے چشم و چراغ ہو ظلِّ الٰہی اور تمام مغلیہ ہند کی نظریں تمہارے مستقبل میں عظمتوں کے خواب دیکھ رہی ہیں۔ جو کچھ ہوچکا ہوچکا۔ ظلِّ الٰہی کی خاطر۔ مغلوں کی خاطر خود انارکلی کی خاطر اُسے بھُول جاؤ۔

سلیم۔ (ذرا دیر ٹہل کر) تم بُزدل ہو۔ بُہت بُزدل ہو بختیار۔ ہمیشہ معاملات کا تاریک پہلو دیکھتے ہو۔ ہمیشہ شُبہوں میں گرفتار رہتے ہو۔ تم خود یاس اور ناکامی کو دعوت دیتے ہو۔ تم —— (قدموں کی آہٹ سُن کر رُک جاتا ہے)

(زعفران اور ستارہ حاضر ہوکر کورنش بجا لاتی ہیں)

زعفران اور ستارہ !

زعفران ۔ (بختیار کو دیکھ کر ذرا شرماتی ہے ۔لیکن بہت جلد سنبھل جاتی ہے) حضور مہارانی جی نے بھیجا تھا کہ . . . . .

ستارہ ۔ (بات کاٹ کر شوخی سے) جھوٹ بالکل جھوٹ ۔میں بتاؤں حضور! ابھی ابھی آپ بن سنور کر آ رہی تھیں ۔راستے میں مل گئی ہیں ۔کہنے لگیں چلو صاحب عالم کی طرف چلیں . . . . .

زعفران ۔ (شرما کر جلدی سے) حضور اس کی نہ سُنئے ۔بکتی ہے جھوٹی لپاٹن کہیں کی ۔

ستارہ ۔ (بات کاٹ کر) میں نے کہا ۔اور اگر صاحب عالم نے پُوچھا کیسے آئیں ۔ تو کیا کہیں گے ؟ بولیں کہہ دینگے مہارانی جی نے بھیجا ہے ۔

زعفران ۔ (ناز سے بگڑ کر) نہیں ملنے گی ستارہ ؟

ستارہ ۔ (شوخی سے بار بار زعفران کی طرف دیکھتے ہوئے) اور میں نے کہا واپس آنے پر مہارانی جی نے پوچھا کہاں گئی تھیں تو کیا جواب ہوگا ؟ بولیں کہہ دیں گے صاحب عالم نے بُلوایا تھا ۔

زعفران ۔ (کھسیانے پن سے) حضور چل کر پُوچھ لیجئے مہارانی جی سے ۔چڑیل کہیں کی ۔ اچھا یاد رکھیو تو ۔

بختیار ۔ (لڑکیوں کی تیز اور شوخ باتوں نے سب کچھ بھلا دیا ہے مسکرا کر) تُم نے کسی جھروکے میں سے ہم کو تو آتے ہوئے نہیں دیکھ لیا تھا ؟

زعفران ۔ (ادا سے) ہم تو ایک نئی غزل سُنانے آئے تھے ۔

بختیار ۔ خوب بھلا سُنیں تو ؟

ستارہ ۔ گائیں گی ٹوٹی ہوئی بین کی طرح ॰

سلیم ۔ (خیال سے چونک کر) نہیں زعفران ۔ اس وقت نہیں ॰

ستارہ ۔ اَور کیا ۔ بھلا کوئی وقت ہے غزل سُننے کا ॰

بختیار ۔ سُنئے بھی قبلہ ۔ کیا مضائقہ ہے (زعفران سے) تو لو تھوڑی سی سُنادو جلدی سے ॰

زعفران ۔ (ناز سے) یُوں تو ہم نہ سُنائیں گے ॰

بختیار ۔ اَور ؟

زعفران ۔ اطمینان سے پُوری غزل سُنائیں گے ہم تو ॰

بختیار ۔ (دلچسپی بڑھتی چلی جا رہی ہے) خُوب ! بھئی بڑے مزے کی چیز ہو تُم تو ۔ آیا کرو نہ یہاں ॰

ستارہ ۔ کہنے کی کیا ضرورت تھی ۔ وُہ پہلے ہی ٹھان چُکی ہوں گی ॰

زعفران ۔ اچھا مُردار آج دیکھیو تو ــــــــــ

بختیار ۔ ہاں تو وُہ کیا غزل تھی زعفران ؟

سلیم ۔ (تنگ آکر) سُنا دو زعفران ۔ (سلیم ٹہل کر پیچھے بُرج میں چلا جاتا ہے)

زعفران ۔ (غزل شروع کرتی ہے ۔ بختیار بہت غور سے سُنتا اور داد دیتا رہتا ہے)

غزل

این پیش خیلِ کج کلہاں از سپاہ کیست　　　وین قبلۂ کہ کج شُدہ طرفِ کلاہ کیست

پایم بہ پیش از سرایں کو نمی رود　　　یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست

گرد سرِ تو گشتن و مردن گُناہِ من　　　دیدن ہلاک و رحم نہ کردن گُناہِ کیست

کف می کنند بزلف تو نمی گویدش کسے — کاں زُلف درہم از اثرِ دودِ آہِ کیست
چُوں بگذرد نظیریٔ خونیں کفن بحشر — خلقے فغاں کنند کہ ایں داد خواہ کیست

سلیم۔ (بُرج سے واپس آکر ستارہ سے باتیں کر رہا ہے) تو ستارہ دلارام کو فوراً بھیج دو۔ کہہ دینا پان منگوائے ہیں ٭

ستارہ۔ (زعفران سے) لے اب چلتی ہو کہ جُوتیاں کھا کر نکلو گی ؟

زعفران۔ (جو بختیار کی میٹھی میٹھی نظروں کے جواب میں لجا رہی ہے) تو کیوں جلی مرتی ہے ٭

سلیم۔ جاؤ زعفران ٭

بختیار۔ (زعفران سے) ہاں تم یاد رکھنا۔ کبھی کبھی جب ہم آئیں۔ معلوم کر لیا کرو۔ ہیں؟ ہاں ٭

(زعفران مسکراتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ بختیار دیر تک کھڑا مُسکرا مُسکرا کر اشارے کرتا رہتا ہے)

سلیم۔ بختیار تم سچ کہتے ہو ٭

بختیار۔ واللہ خوب چیز ہے (بات کر کے سلیم کے چہرے پر نگاہ ڈالتا ہے۔ اُسے فکرمند دیکھ کر شرما سا جاتا ہے)

سلیم۔ اِس بات نے بڑی خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ اس کے منظروں کا پوری طرح اندازہ لگانا مشکل ہے ٭

بختیار۔ (اب سنبھل چکا ہے) تم نے دلارام کو بُلوایا ہے ؟

سلیم۔ ہاں اس پس و پیش کی اذیت مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی۔ اور مجھے کچھ معلوم نہیں انارکلی ——— اس غریب کی کیا حالت ہو گی بختیار!

بختیار۔ لیکن تم دلارام سے کیا کہنا چاہتے ہو ؟

سلیم۔ مجھے یقین ہے اس کی خاموشی کو خریدا جا سکتا ہے ۔

بختیار۔ لیکن کب تک کے لئے ۔ آخر اس سے حاصل کیا ؟

سلیم۔ (آہ بھر کر) یہ ملاقات کے بعد معلوم ہوگا ۔

بختیار۔ (آہٹ پر کان لگا کر) کوئی آ رہا ہے ۔

سلیم۔ دلارام ۔

بختیار۔ مَیں اُدھر ڈیوڑھی میں ٹھہرتا ہُوں ۔

(بختیار جلدی سے رخصت ہو جاتا ہے ۔ سلیم مسند پہ بے فکری کے انداز میں بیٹھ جاتا ہے ۔

دلارام خاصدان لئے ہوئے داخل ہوتی ہے ۔ اور سلیم کے قریب آ کر کھڑی ہو جاتی ہے ۔ دونوں خاموش رہتے ہیں)

دلارام۔ (کچھ دیر بعد) حضور نے پان طلب فرمائے تھے ۔

سلیم۔ رکھ دو دلارام ۔

(دلارام خاصدان میز پہ رکھ دیتی ہے ۔ پھر دونوں خاموش ہیں)

دلارام۔ کوئی اَور حکم (سلیم خاموش رہتا ہے ۔ دلارام ذرا دیر جواب کا انتظار کرتی ہے) مَیں رُخصت ہوتی ہُوں (دروازے کی طرف جاتی ہے)

سلیم۔ ٹھہرو دلارام !

(دلارام جہاں ہے وہیں تھم جاتی ہے ۔ سلیم پھر خاموش ہو جاتا ہے ۔ آخر کچھ دیر کے پس و پیش کے بعد)

مَیں تُم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں ٭

دلارام۔ (قریب آکر) ارشاد ؟

سلیم۔ (دوسری طرف دیکھتے ہوئے) تُم بوجھ سکتی ہو مَیں کس معاملے کے متعلق گفتگو کروں گا ٭

دلارام۔ ضروری تو نہیں ٭

سلیم۔ (تامّل کے بعد) مَیں چاہتا ہُوں تم جو کچھ جانتی ہو وُہ راز رہے ٭

دِلارام۔ یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ کنیزیں اتنی عالی ظرف ہوسکتی ہیں ٭

سلیم۔ (سلیم اس جواب کے لئے تیار نہ تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا اب کیا کہے۔ کچھ دیر گومگو کے عالم میں رہتا ہے) مگر دلارام تم بتاؤگی۔ تم وہاں کیوں آئی تھیں ؟

دِلارام۔ آپ کے انتخاب پر آپ کو مُبارکباد دینے ٭

سلیم۔ تم کچھ چُھپا رہی ہو دلارام ؟

دِلارام۔ جس قدر آپ مجھے بُلانے کا اصل مقصد چُھپا رہے ہیں ٭

سلیم۔ مَیں بتا چکا۔ مَیں رازداری چاہتا ہُوں ٭

دِلارام۔ (سر جُھکاکر) ایسا ہی ہوگا ٭

سلیم۔ (پہلی مرتبہ دلارام کی طرف دیکھ کر) اور اب تم ؟

دِلارام۔ (سر جُھکائے کچھ دیر خاموش کھڑی رہتی ہے۔ آخر تامّل سے) مَیں اِس کی قیمت چاہتی ہُوں ٭

سلیم۔ (چہرے پر خفیف سا تبسّم ہے) مَیں جانتا تھا تُم کو قیمت مقرّر کرنے کی آزادی ہے لیکن واضح رہے مجھے یک مُشت قیمت ادا کر دینا زیادہ پسند ہے ٭

دلارام۔ (دیر تک سر جھکائے خاموش کھڑی رہتی ہے۔ آخر مُنہ دُوسری طرف موڑ لیتی ہے)
صاحبِ عالم۔ وہ سونا نہیں۔ جواہرات نہیں۔ ایک بدنصیب کنیز ان چیزوں پر جان دیتی ہے۔ لیکن اس کی زندگی بعض اِن سے بھی زیادہ پیاری چیزوں سے خالی ہوتی ہے ۔

سلیم۔ (اعتماد انگیز انداز میں) پھر تم کیا چاہتی ہو ؟

دلارام۔ (مُڑ کر حسرت ناک نظروں سے سلیم کو دیکھتی ہے اور کچھ کہنا چاہتی ہے۔ مگر رُک جاتی ہے۔ آخر ہمت کرکے) تم خود نہیں بُوجھ سکتے شہزادے ؟

سلیم۔ (کسی قدر چوکنا ہوکر) مَیں صاف لفظوں میں قیمت معلوم کرنا چاہتا ہُوں ۔

دلارام۔ قیمت ؟ (توقف کے بعد) آہ یہ لفظ سب کچھ برباد کئے دیتا ہے ۔

سلیم۔ (کسی قدر بگڑ کر) میں پہیلیاں نہیں بُوجھنا چاہتا ۔

دلارام۔ (حوصلہ کرکے محبّت کے واضح انداز میں کہتی ہے) تم نہیں بُوجھ سکتے شہزادے۔ جب ایک کنیز تمہارے لئے پان لے کر آتی ہے تو وُہ کیا چاہتی ہے ؟

سلیم۔ (حیرانی سے) کیا چاہتی ہے ؟

دلارام۔ (توقف کے بعد بے بس ہوکر) تم نہیں بوجھ سکتے۔ جب وہ ایک شہزادے کو ایک دُوسری کنیز کے ساتھ محبّت کرتے ہوئے دیکھتی ہے تو وُہ کیا چاہتی ہے ؟

۹۴۸۹۰

سلیم۔ (حیرت بڑھ رہی ہے۔ الفاظ سُن رہا ہے مگر یقین نہیں کرنا چاہتا) کیا چاہتی ہے ؟

دلارام۔ تم کتنے ظالم ہو شہزادے ؟

سلیم۔ (وقار سے) مت بھُولو۔ تم کس سے گفتگو کر رہی ہو ۔

دلارام۔ (بے اختیاری سے) مَیں عورت ہُوں ٭

سلیم۔ مَیں صرف مرد نہیں ہوں ٭

دلارام۔ تم نہ سمجھنا چاہو تو مَیں بے بس ہوں ٭

سلیم۔ (شُبہ ہے کہ وُہ غلط تو نہیں سمجھ رہا) مَیں سُننا چاہتا ہوں ٭

دلارام۔ میں لفظوں میں نہیں بیان کر سکتی۔ مَیں ایک غزل سُناتی ہُوں۔ میری آواز بیان کرے گی (دلی جوش کے ساتھ گانا شروع کرتی ہے۔ سلیم مبہوت بنا ہُوا سُنتا رہتا ہے)

غزل

به ملازمانِ سُلطاں کہ رساند ایں دُعا را ۔۔۔ کہ بہ شکرِ پادشاہی ز نظر مراں گدا را

چہ قیامتست جاناں کہ بہ عاشقاں نمودی ۔۔۔ رُخِ ہمچو ماہِ تاباں دلِ ہمچو سنگِ خارا

دلِ عالمے بسوزی چو عذار بر فروزی ۔۔۔ تو ازیں چہ سُود داری کہ نمی کُنی مدارا

ہمہ شب دریں اُمیدم کہ نسیمِ صُبح گاہی ۔۔۔ بہ پیامِ آشنائے بنوازد آشنا را

سلیم۔ (نہیں رہا جاتا۔ یک لخت اُسے روک دیتا ہے) کیا کہہ رہی ہے دلارام ؟

دلارام۔ (دو زانو ہو کر) شہزادے مَیں تیری کنیز ہُوں ٭

سلیم۔ (حیرت کے عالم میں اُٹھ کھڑا ہوتا ہے) ا ــــــ خُدایا ! تجھے جراُت کیسے ہوئی ؟

دلارام۔ (پھُوٹ بہتی ہے) جُراُت ! انارکلی سے پُوچھو۔ میرے آئینے سے پُوچھو۔ اپنی آنکھوں سے پُوچھو۔ مَیں تمہیں چاہتی ہُوں۔ چاہتی ہُوں۔ مُدّت سے چاہتی ہوں۔ مجھے کبھی جراُت نہ ہُوئی تھی تم سے کہوں۔ آج تقدیر نے مجھے موقع دیا۔ تمہارے راستے میں لا ڈالا۔ مَیں محبت کے صرف ایک لفظ

کی محتاج ہُوں۔ شہزادے میرے شہزادے!

سلیم۔ (بے انتہا غصّے اور نفرت سے) بے وقوف ــــــ

دلارام۔ (وقار سے کھڑی ہوجاتی ہے) صاحب عالم۔ میرا دل بے اختیار سہی لیکن مجھ میں خودداری باقی ہے۔

سلیم۔ کمینی! اس قدر دلیری! تُو نے کیا سمجھ کر یہ کہا۔ کنیز سلیم کی دھمکیوں سے سہم جائے گا؟ چُڑیل! ہماری نرمی کا یہ اثر! پھر اب سُن رکھ دِلارام۔ اگر تیری زبان سے اس راز کا ایک لفظ بھی نکلا۔ تو دُوسرے لمحے تیری سربُریدہ نعش راوی کی لہروں پر تیر رہی ہو گی۔

دِلارام۔ ہماری گفتگو تمام ہوئی (آداب بجالا کر رُخصت ہوتی ہے۔ اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی چبوترے کی سیڑھیوں تک پہنچتی ہے)

سلیم۔ (مسند پر بیٹھ کر سامنے تکتے ہوئے) ٹھہرو دلارام۔ میں ایک بار پھر تُمہیں موقع دیتا ہُوں۔

دِلارام۔ (سیڑھیوں پر سے) مجھے اَور کچھ عرض نہیں کرنا۔

سلیم۔ (پھر کھڑا ہوجاتا ہے) دِلارام تُم پچھتاؤ گی۔ اب سوچ لو۔ یہ وقت تمہیں پھر حاصل نہ ہوگا۔

دلارام۔ (چبوترے پر سے) آپ جب یاد فرمائیں گے میں پھر حاضر ہو جاؤں گی۔ (جانا چاہتی ہے)

سلیم۔ (بے قابو ہوکر) لیکن دلارام تُم بھی یہ سمجھ کر غور کرنا۔ جو الزام تم انارکلی پر لگا رہی ہو وُہ اب تُم پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اگر تم کہہ سکتی ہو کہ سلیم انارکلی کو چاہتا ہے

تو سلیم کہہ سکتا ہے۔ کہ دلارام سلیم کو چاہتی ہے۔ ہاں یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ناکامی نے دلارام کو انتقام لینے پر تیار کر دیا (ذرا دیر خاموش ہو جاتا ہے کہ دلارام کو اپنی بیچارگی کا احساس ہو) تم نے دیکھا دلارام۔ تم اپنے جال میں خود گرفتار ہو ٭

دلارام۔ تم یہ کہنا چاہتے ہو شہزادے کہ اگر ہم ایک دوسرے کے متعلق کسی سے کچھ کہنا چاہیں۔ تو ہمیں ثبوت کی۔ گواہوں کی ضرورت ہے؟ (دلارام کے چہرے پر ایک خفیف سا تبسّم نمودار ہوتا ہے۔ سلیم آنکھیں پھاڑے اُسے تک رہا ہے۔ کہ اب وُہ کیا کہے گی)

(یک لخت پردے سرکتے ہیں۔ اور بختیار چبوترے پر دوسری طرف سے داخل ہوتا ہے)

بختیار۔ (مضحکہ انگیز تعظیم سے) لیکن سلیم گواہ حاصل کر چکا!

دلارام۔ (چہرے پر سے تبسّم یُوں غائب ہو جاتا ہے جیسے اس پر بجلی گر پڑی ہو۔ وُہ دوڑتی ہوئی آتی ہے) صاحبِ عالم! (سلیم کے قدموں میں گر پڑتی ہے)

سلیم۔ (بختیار کو دیکھتے ہوئے) بختیار! مَیں بھول چکا تھا۔ تم اُدھر موجود ہو (دلارام سے) دلارام جاؤ۔ اور اس واقعے کو یاد رکھو ٭

(دلارام اُٹھتی ہے۔ اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے سسکیاں بھرتی ہوئی رخصت ہو جاتی ہے ٭

بختیار سیڑھیاں اُتر کر سلیم کے قریب آتا ہے۔ سلیم محبت سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا ہے) بختیار۔ تم نے مجھے ہر خطرے سے محفوظ کر دیا ٭

بختیار۔ ایک چال کا جواب دے لینے سے بازی کا فیصلہ نہیں ہوجاتا ۔

سلیم ۔ (بختیار کا چہرہ تکتے ہوئے) کیا مطلب ؟

بختیار۔ تم اناڑی شاطر ہو۔ حریف اَور چال سوچ لے گا۔ مہلت سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اور اسی وقت ہنس کر بساط اُلٹ ڈالو ۔

(بختیار یہ کہہ کر یک لخت رخصت ہوجاتا ہے۔ سلیم اسے دیکھتا رہتا ہے اور پھر سوچ میں مسند پر بیٹھ جاتا ہے۔ اطمینان اور فراغت کی ایک انگڑائی لیتا ہے اور تکیے پر سر رکھ دیتا ہے ۔

پے درپے واقعات کے بعد اب بے فکری حاصل ہونے سے میٹھی نیند اُس کی پلکیں بند کر رہی ہے۔ کہ پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے)

پردہ

منظرِ دوم

انارکلی کا حجرہ

ہلکے رنگ کی دیواروں کا مختصر سا حجرہ ہے۔ جس میں سامانِ آرائش بہت کم ہے۔ دیواریں سادہ ہیں۔ سامنے کی دیوار میں مغلیہ انداز کے تین جالی دار دریچے ہیں۔ جن کے پردے اگر کھلے ہوں تو پرانے پائیں باغ کے جھکے ہوئے معمر درخت اور خشک فوارے نظر آتے ہیں۔ دائیں بائیں تین تین دروازے ہیں۔ دائیں ہاتھ کے دروازے سہ دری میں کھلتے ہیں۔ اور بائیں ہاتھ نے ثریا کے کمرے کو جاتے ہیں ۔۔

ایک کونے میں ذرا نیچا چوکور تخت ہے جس پر سبز اطلس کی سوزنی بچھی ہے۔ اوپر آسمانی مخمل کے چھوٹے بڑے تکیے بے ترتیب پڑے ہیں۔ پاندان بند رکھا ہے۔ ستار اور سارنگی کونے میں کھڑی ہے۔ ستار پر پھولوں کا ایک بڑا سا مرجھایا ہوا ہار لٹک رہا ہے۔ دوسرے کونے میں ایک پلنگڑی پر بستر بچھا ہے۔ اوپر سبز ریشم کا پلنگ پوش پڑا ہے۔ جس کی سلوٹیں کہہ رہی ہیں۔ کہ پچھلی رات اسے پلنگ پر سے اٹھایا نہیں گیا۔ نفٖ نیلے پردے جن پر سبز ریشم

سے مغلیہ محرابوں میں سرو بنے ہیں۔ دروازوں اور دریچوں پر کھینچے ہوئے ہیں۔ باہر صبح روز روشن میں تبدیل ہو چکی ہے۔ لیکن پردوں کی وجہ سے اس حجرے میں ابھی اندھیرا سا ہے۔

انارکلی اکیلی تخت کے کنارے پر یُوں بیٹھی ہے جیسے کھڑے کھڑے تھک کر چُور ہو گئی ہو۔ اور محض سہارے کے کی خاطر بیٹھ گئی ہو۔ بال بکھرے ہوئے ہیں۔ چہرہ باسی ہے۔ آنکھیں بھاری۔ پریشان نظروں سے ادھر اُدھر تک رہی ہے۔ اور مٹھیاں کبھی کھولتی کبھی بند کرتی ہے ؛

انارکلی۔ سب کو معلوم ہو گیا۔ سب کو معلوم ہو گیا۔ پھر کیوں نہیں آتے۔ اور مجھ کو پکڑ لے جاتے . . . دلارام سے کیوں سُنتے ہو۔ آؤ مجھ سے سُنو۔ مجھے محبت ہے۔ کنیز کو ولی عہد سے۔ سلیم سے۔ مَیں نے جان بُوجھ کر یہ زہر پیا۔ اس کا مزا زندگی سے زیادہ میٹھا تھا۔ اب اَور کیا چاہتے ہو۔ سزائیں پھر سوچ لینا۔ پہلے لے جاؤ۔ یہاں سے مُجھ کو لے جاؤ۔ یُوں نہیں مرا جاتا ؛

(سہ دری میں سے ایک قہقہے کی آواز آتی ہے۔ کوئی خواجہ سرا کھلکھلاتا ہوا گُزر رہا ہے۔ انارکلی قہقہے کی آواز سے سہم جاتی ہے)

آپہنچے۔ آپہنچے۔ اللہ۔ میرے اللہ!

(بھاگتی ہے اور دوسری طرف کے دروازے کے پردے میں چُھپ جاتی ہے۔ کچھ دیر اندر رہی دبکی ہوئی منتظر رہتی ہے۔ آخر پردہ سرکا کر سراسیمہ نظروں سے جھانکتی ہے۔ پھر آہٹ پر کان لگا دیتی ہے۔ اطمینان ہو جاتا ہے تو ڈگمگاتے قدم پُھونک پُھونک کر رکھتی ہوئی باہر آتی ہے۔ کچھ دیر تخت کے

قریب خاموش کھڑی رہتی ہے۔ اس کا نحیف جسم ان شدید جذبات کی
تاب سے جواب دے دیتا ہے۔ اور لڑکھڑا کر تخت پر گر پڑتی ہے)
کب تک۔ اللہ کب تک ! (رخسار ایک نرم تکیے پر رکھ کر بے حس و حرکت
پڑ جاتی ہے)
(انارکلی کی ماں داخل ہوتی ہے)
ماں۔ (انارکلی کو پڑا دیکھ کر فکرمندی سے اس کی طرف بڑھتی ہے) نادرہ !
انارکلی۔ (چونک کر یک لخت اُٹھتی اور دُور ہٹ جاتی ہے) امّاں !
ماں۔ کیا ہے بیٹی ؟
انارکلی۔ تمہیں معلوم ہو گیا ؟
ماں۔ کیا ؟
انارکلی۔ تم کیوں آئی ہو ؟
ماں۔ نادرہ !
انارکلی۔ (ماں کا منہ تکتے ہوئے) تو ابھی نہیں معلوم ہُوا (سر جُھکا کر چپ ہو جاتی ہے)
ماں۔ (پریشانی کے عالم میں قریب جا کر) کیا ہُوا نادرہ ؟ بیٹی ؟ میری جان۔ نادرہ !
انارکلی۔ (آہستہ سے) امّاں (ماں کی طرف دیکھتی اور پھر بچوں کی طرح اس سے لپٹ
جاتی ہے)
ماں۔ (سراسیمگی سے) کیا ہُوا بیٹی ؟ نادرہ !
انارکلی۔ (ماں کے سینے پر آنکھیں بند کر کے) کچھ نہیں امّاں
ماں۔ (لپٹائے لپٹائے انارکلی کا سر اوپر کو کرتی ہے) یہ تو ڈری ہوئی کیسی تھی ؟

انار کلی۔ (بے بسی کی نظروں سے ماں کو تکتی ہے) ہاں امّاں مَیں ڈر گئی تھی ۔
ماں۔ (بڑی محبت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتی ہے) اور یہ معلوم ہوگیا کیا پُوچھ رہی تھی ؟
انار کلی۔ (ٹلانے کو الگ ہوجاتی ہے) نہیں تو امّاں ۔

ماں۔ نادرہ !
انار کلی۔ (مُسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے) کچھ نہیں بی۔ رات کو دیر میں سوئی۔
پریشان خواب نظر آتے رہے . . . ابھی ابھی آنکھ کھُلی تو اسی
کا خیال ستا رہا تھا ۔
ماں۔ اے ہے تیری پھٹی پھٹی آنکھیں دیکھ کر میرا تو کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ وُہ تو
خیر ہوئی کہ مَیں آگئی۔ نہیں تو نہ جانے تیری حالت کیا ہوتی (محبت سے پیٹھ
پر ہاتھ رکھ کر) لے اب باہر چل۔ ساری دُنیا اُٹھ بیٹھی۔ کام کاج میں لگ گئی
سُورج سر پہ آگیا۔ تُو ابھی حُجرے سے باہر نہیں نکلی !
انار کلی۔ (اَور پرے سرک کر) ابھی باہر نہ جاؤں گی ۔
ماں۔ وُہ کیوں ؟
انار کلی۔ یُوں ہی امّاں (عاجزی سے) ابھی نہیں ۔
ماں۔ (حیرانی سے) کوئی وجہ بھی ؟
انار کلی۔ کچھ نہیں (توقّف کے بعد) میرا جی گھبراتا ہے روشنی سے ۔
ماں۔ (تشویش سے) اے عجیب جی ہے تیرا۔ تو کیا اب رات کو باہر نکلا کرے گی ؟
مَیں کہتی ہُوں تیرا یہ حال کیا ہُوا جا رہا ہے ؟ اللہ جانے کچھ عجیب ہی ہے ۔
میری سمجھ میں تو آتا نہیں۔ مَیں تو مہارانی سے کہہ کر کسی حکیم کو بُلواتی ہُوں ۔

انارکلی۔ (فکرمندی سے) نہیں اماں۔ حکیم کیوں۔ اچھی خاصی تو ہوں میں ؞

ماں۔ کیسے نہیں حکیم۔ ایسے بڑا کرتے ہیں اچھے خاصے ؟

انارکلی۔ (زرا دیر چپ کھڑی سوچتی رہتی ہے) مہارانی ہی سے کہتی ہو تو ایک آدھ بات کہہ دو اماں ؞

ماں۔ کیا ؟

انارکلی۔ (تامل کے بعد) مجھے یہاں سے کہیں بھجوا دو ؞

ماں۔ اے وہ کیوں ؟

انارکلی۔ اس محل میں میں زندہ نہ بچوں گی۔ اس کی دیواریں ہر وقت میری طرف بڑھی آ رہی ہیں کسی روز ٹکرائیں گی اور مجھ کو پیس ڈالیں گی ؞

ماں۔ (سراسیمہ ہو جاتی ہے) نادرہ۔ خدا کے لئے کیسی باتیں کرتی ہے بچی۔ میرا تو دل ہَول کھاتا ہے ؞

انارکلی۔ (مایوسی سے) پھر نہیں بھجوا سکتیں اماں ؟

ماں۔ (کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہے) کیسے بھجوا دوں بیٹی! بھلا کیونکر اور پھر کون ہے میرا جس کے پاس بھجوا دوں ؞

انارکلی۔ (لجاجت سے) اماں کہیں کسی جگہ۔ جنگل ہی میں چھوڑ دیں۔ یہاں سے لے جائیں ؞

ماں۔ (خوف زدہ ہو کر تشویش ناک نظروں سے بیٹی کو دیکھ رہی ہے) نادرہ تجھے کیا ہو گیا ہے ؟

انارکلی۔ کچھ نہیں اماں (چپ ہو جاتی ہے) مجھے گلے لگا لو (ماں پاگلوں کی طرح اُس کا

مُنہ تک رہی ہے) گلے بھی نہ لگاؤ گی امّاں ؟

ماں ۔ بیٹی میَں تو تجھے دل میں بٹھا لوُں ۔ پر مجھے تو ڈر لگتا ہے (انارکلی بچّوں کی طرح ہاتھ بڑھا دیتی ہے ۔ ماں گلے لگا لیتی ہے ۔ انارکلی اس سے لپٹ جاتی ہے)

ثریّا ۔ (ہانپتے ہوئے) آپا !

انارکلی ۔ (یک لخت ماں سے الگ ہوکر) ثریّا !

ثریّا ۔ (ماں کو دیکھ کر) کچھ نہیں آپا ۔

ماں ۔ (ثریا کو ہانپتا دیکھ کر) ثریّا کیسے آئی ؟

ثریّا ۔ کیسے ؟ (ٹلانے کو) بھاگ کر آئی ہوُں ۔

ماں ۔ پگلی کہیں کی ۔

انارکلی ۔ (پُرمعنی استفسار کے انداز میں) ثریّا ؟

ثریّا ۔ (اطمینان بخش انداز میں) جی آپا ۔ آؤ نہ باہر چلیں ۔ تمہیں باغ میں لے جانے کو آئی تھی ۔

ماں ۔ ہاں ننھی اسے لے جا کہیں ۔ تُو ہی لے جائے گی ۔ اور بھئی میں تو آج مہارانی سے مشورہ کرتی ہُوں ۔ اَور نہیں تو کل کلاں کو کچُھ ہو گیا ۔ تو مَیں کس کی ماں کو ماں کہہ کر پکاروں گی ۔

(گھبرا کر رُخصت ہوتی ہے ۔ دروازے کے قریب جا کر رُکتی ہے ۔ اور سہ دری کے تمام دروازوں کے پردے کھول دیتی ہے)

ثریّا ۔ (بڑی بے تابی سے اس کے جانے کی منتظر ہے ۔ نظروں سے اوجھل ہوتے ہی پھٹ پڑتی ہے) آپا! آپا! صاحب عالم نے کہا ۔ کچُھ نہیں ہوگا ۔ سب ٹھیک ہو گیا ۔

اب کچھ ڈر نہیں آپا۔ میری آپا!

انارکلی۔ (اسے الگ کرتے ہوئے) کیسے ثریا؟

ثریا۔ انہیں دلارام کی اتنی بڑی بات معلوم ہوگئی۔ کہ اب وہ کچھ کہنے کی جرأت نہ کرے گی ٭

انارکلی۔ کیا بات؟

ثریا۔ دلارام صاحب عالم پر مرتی ہے ٭

انارکلی۔ ہا! (سامنے دیکھتی رہ جاتی ہے)

ثریا۔ (انارکلی کو کھینچ کر پاس تخت پر بٹھا لیتی ہے) صاحب عالم نے جو دلارام سے کل رات کی بات چھپانے کو کہا۔ تو اُس نے صاحبِ عالم پہ محبت ظاہر کی ڈیوڑھی میں صاحب عالم کے دوست بختیار موجود تھے۔ انھوں نے سُن لیا اور اندر آ گئے۔ بس پھر تو دلارام کے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں ٭

انارکلی۔ (سوچتے ہوئے) دلارام اب کچھ نہیں کہہ سکتی؟

ثریا۔ تو اب صاحبِ عالم بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ دلارام نے جلن کے مارے الزام گھڑا ہے۔ ہاں جی ٭

(انارکلی اثبات میں سر ہلا کر چپ ہو جاتی ہے)

اب کاہے کا ڈر آپا۔ آہا! (اُٹھ کر خوشی کے مارے ناچنے لگتی ہے)

انارکلی۔ دلارام صاحبِ عالم کو چاہتی ہے!

ثریا۔ (ناچتے ناچتے رُک کر) اور صاحبِ عالم اس کی صورت سے بیزار ہیں۔ آہا! (پھر ناچنے لگتی ہے) ٭

انارکلی۔ (سوچتے ہوئے) دلارام اب کیا کرے گی ؟
ثریا۔ صاحبِ عالم کی زبان بند رکھنے کو انہیں خوش کرے گی ۔
انارکلی۔ ہُوں ۔
ثریا۔ (انارکلی کو گدگدا کر) اب تو وُہ خود تمہاری اور صاحبِ عالم کی مُلاقاتیں کرائے گی ۔
انارکلی۔ (گھبرا کر) نہیں نہیں ۔ ۔ ۔
ثریا۔ (سہ دری کی طرف دیکھ کر) چُپ چُپ آپا چُپ۔ دلارام (دونوں باہر تکنے لگتی ہیں) ادھر ہی آ رہی ہے ۔
انارکلی۔ (گھبرا کر کھڑی ہو جاتی ہے) مجھ سے نہ ملا جائے گا (جانا چاہتی ہے)
ثریا۔ کہاں جاؤ گی۔ اور پھر کب تک! اب تو وُہ خود دبی ہُوئی ہے۔ تم کیوں گھبراتی ہو۔ اور میں جو ہُوں ۔

(انارکلی پریشانی کے عالم میں کھڑی ہے کہ دلارام آجاتی ہے۔ بہت مغموم اور افسردہ ہے۔ ثریا کو دیکھ کر ٹھٹکتی ہے۔ ذرا دیر تینوں خاموش اور بے چین سی رہتی ہیں)

دلارام۔ (آخر ہمّت کر کے) انارکلی !
(انارکلی کو دلارام سے آنکھیں چار کرنے کی جُرأت نہیں پڑتی)
میں تم سے مُعافی مانگنے آئی ہوں ۔
ثریا۔ (چمک کر) مُعافی کیسی ؟
دِلارام۔ (تامل سے) کہ میں کل رات باغ میں آ گئی تھی ۔

ثریا۔ (طنز سے) اور کوئی تم سے بھی معافی چاہتا ہے (انارکلی ثریا کو اشارے سے روکنے کی کوشش کرتی ہے)

دلارام۔ کون؟

انارکلی۔ (تنبیہ کے انداز میں) ثریا!

ثریا۔ (پروا نہ کرتے ہوئے) بختیار جو ڈیوڑھی میں سے صاحبِ عالم کے پاس آ گئے تھے۔

دلارام۔ (معلوم نہ تھا کہ ثریا اس دوران میں سلیم سے مل چکی ہے۔ گھبرا سی جاتی ہے) تو تمہیں معلوم ہو چکا۔ میں یہی بتانے کو آئی تھی۔ یہی سب (سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہے) میں تم کو اپنے متعلق اطمینان دلانے آئی تھی (توقف) انارکلی تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ کہ محبت کیسی بے پناہ چیز ہے۔ مجھے بھی سلیم سے محبت تھی۔ میں . . .

ثریا۔ (متانت سے) صاحبِ عالم کہو جی۔

دلارام۔ (قطع کلام سے روانی جاتی رہتی ہے) تو۔ وہ۔ ہاں مجھے محبت تھی۔ اور تم یہ بھی جانتی ہو ایک بے بس ناچیز کنیز کی محبت کتنی درد بھری ہوتی ہے۔ (انارکلی بے اختیار ہو کر آہ بھرتی ہے) میں اسی محبت سے بے تاب تھی۔ اور چاہتی تھی۔ (ثریا سے نظر ملتی ہے۔ وہ بھویں چڑھائے مضحکہ انگیز متانت سے باتیں سن رہی ہے) مگر ثریا یہاں موجود ہے۔

ثریا۔ (کڑک کر) کیوں! میں تمہیں کاٹتی ہوں کیا۔ تم کہو۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔

دلارام۔ (تامل کے بعد) میں اتفاقاً رات کو باغ میں پہنچ گئی مجھے بالکل اُمید نہ تھی۔

تم وہاں ہو۔ مَیں اس وقت فارغ تھی۔ اپنی دُکھ بھری سوچ میں یُوں ہی
ادھر چلی گئی۔ مجھے اگر شُبہ بھی ہوتا کہ صاحب عالم اور تم وہاں موجود ہو۔
تو انارکلی۔ یقین مانو۔ مَیں کبھی اُدھر نہ آتی ؂

ثریا۔ (دلارام کے سامنے ہوکر اور کمر پہ ہاتھ رکھ کر) اور جناب کو شاید یاد نہیں رہا۔ کہ آپ
دو مرتبہ باغ میں تشریف لائی تھیں۔ آپ نے جو کچھ کہا وہ سچ ہوتا۔ تو آپ
وہاں دوبارہ آنے کی تکلیف گوارا نہ فرماتیں ؂

دلارام۔ ہاں ہاں میں دوبارہ بھی آئی تھی (تامّل کے بعد) اگر تم اسی پہ تُلی ہو۔ کہ
میری معذرت پر یقین نہ کرو۔ ایک کم نصیب کی ناکامیوں کو برہنہ دیکھو
تو آؤ پھر سچ ہی سُنو۔ اب رہا کیا جو مَیں چھپاؤں۔ مَیں سب کچھ صاف
صاف کہے دیتی ہُوں ؂

ثریا۔ یُوں۔ ورنہ تمہیں معلوم ہے میں کیا کچھ جانتی ہوں ؂

دلارام۔ (کچھ دیر سر جھکائے خاموش رہتی ہے۔ آخر سر اُٹھاکر) مجھے سلیم سے . . . ؂

ثریا۔ (انگلی اُٹھاکر) صاحب عالم ؂

دلارام۔ . . . سے عشق تھا۔ وُہ جب کبھی حرم میں آتے یا باغ میں جاتے۔
مَیں سائے کی طرح ان کے پیچھے رہتی۔ جب تک نظر آتے ستونوں کے
پیچھے سے۔ پیڑوں کی آڑ میں سے انہیں تکا کرتی تھی۔ ایک کنیز جیسے محبت
نے دیوانہ بنا رکھا ہو۔ اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتی ہے . . . رات،
وُہ چھُپتے چھُپاتے باغ میں جا رہے تھے۔ کہ فوّارے کے پاس مَیں نے
اُن کی پرچھائیں دیکھ لی۔ اور بے تاب ہوکر اُن کے پیچھے چل کھڑی ہوئی

وہ درختوں کے سائے میں غائب ہو گئے۔ مگر میرے سینے میں بے چین تمناؤں کا ایک طوفان چھوڑ گئے۔ میں نے انہیں ہر جگہ ڈھونڈا۔ باغ کا گوشہ گوشہ دیکھ ڈالا۔ اور آخر وہاں پہنچ گئی جہاں انارکلی تم بیٹھی تھیں ؞

ثریا۔ اور دوسری بار ؟

دلارام۔ میں نے تمہیں دیکھا انارکلی۔ تو نہ جانے کیوں آپ سے آپ مجھے یقین ہو گیا۔ کہ جسے تو چاہتی ہے وہ اسے چاہنے باغ میں آیا ہے۔ صاحب عالم وہاں نہ تھے۔ پر مجھ کو یقین تھا۔ وہ تم سے ملنے وہاں آئے تھے۔ میں سچ کہوں گی میں بے تاب ہو گئی۔ شعلے میرے دل سے اٹھ اٹھ کر دماغ تک پہنچنے لگے۔ میں وہاں سے ٹل گئی۔ اور دیوانوں کی طرح روشوں پر پھرتی رہی۔ میں پھر رہی تھی۔ اور کوئی آواز میرے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھی۔ کہ وہیں جا جہاں انارکلی بیٹھی ہے۔ مجھ سے اس آواز کا مقابلہ نہ کیا گیا۔ میں گئی اور میں نے ان کو جنہیں میں چاہتی تھی۔ اور تم کو جسے وہ چاہتے ہیں اکٹھے دیکھ لیا (غم سے سر جھکا لیتی ہے) ؞

انارکلی۔ (متاثر ہو کر) دلارام ؞

دلارام۔ انارکلی تمہاری محبت کامیاب ہے۔ تمہیں کیا معلوم جس سے آپ محبت ہو۔ اسے اپنے سے بے پروا اور دوسرے سے محبت کرتے دیکھ کر کیسا کچھ دکھ ہوتا ہے۔ اور میں کمزور عورت ہوں۔ میں تمام رات کھلی آنکھیں لئے بستر پر پڑی رہی۔ اور رات کے طویل گھنٹوں میں نامرادی میرے کانوں میں سائیں سائیں کیا کی۔ اور آج صبح جب صاحب عالم نے مجھے طلب کیا تو

میری مرتی ہوئی امید نے آخری سنبھالا لیا۔ میرے دِل نے کہا۔ اگر ایک شہزادہ ایک کنیز سے محبت کر سکتا ہے۔ تو ایک دُوسری بدنصیب کنیز بھی ایک مرتبہ اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ سکتی ہے۔ جو محبت اندر ہی اندر مجھے پھُونک رہی تھی میری زبان پہ آگئی ۔

انار کلی۔ آہ!

دلارام۔ (غمناک انداز سے سر ہلا کر) لیکن میرے لئے کوئی امید نہیں۔ مجھے معلوم ہو گیا میری تقدیر میں محرومی کے سوا کچھ نہیں۔ اگر تم صاحبِ عالم کو نہ بھی چاہو۔ جب بھی کوئی اُمید نہیں۔ وُہ تمہیں دیوانہ وار چاہتے ہو۔ تم خوش قسمت ہو انار کلی۔ وُہ تمہیں چاہتے ہیں اور مجھے نہیں چاہ سکتے۔ مَیں اب نثار ہو لی۔ مَیں نے اپنی تمناؤں کا گلا گھونٹ دیا۔ میرے دِل میں حسد کا نام بھی نہیں۔ اب میری واحد خوشی ہے مَیں اپنی محبوب کی محبوب کو چاہوں۔ اسی میں اطمینان ہے۔ اسی میں راحت ہے۔ انار کلی بہن۔ میرے قصور بخش دو۔ کم نصیب سمجھ کر بخش دو۔ ہاری ہوئی رقیب سمجھ کر بخش دو (گھٹنوں کے بل ہو کر انار کلی کا دامن پکڑ لیتی ہے)

انار کلی۔ آہ بہن۔ مَیں کیا کروں؟

دِلارام۔ میرا اطمینان کر دو۔ تم نے مجھے بخش دیا ۔

(انار کلی دلارام کو اُٹھاتی اور گلے لگا لیتی ہے)

میرا شرمندہ چہرہ اور مجرم دل تمہاری نظریں برداشت نہیں کر سکتا۔ مَیں جاتی ہُوں (چلتی ہے)

ثریا۔ (جو انارکلی کو متاثر ہوتے دیکھ کر اس دوران میں بڑی بے قرار رہی ہے۔ یک لخت دلارام کا راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے) ٹھہرو دلارام! میں انارکلی سے چھوٹی ہوں۔ مگر اتنی سیدھی نہیں۔ میں تمہیں خوب جانتی ہوں۔ مدت سے جانتی ہوں دلارام۔ تم آپا کو باتوں میں لے آئیں۔ لیکن یاد رکھنا۔ انارکلی کے ساتھ تمہیں مجھ سے بھی نپٹنا ہوگا۔ اور اگر تم شعلہ ہو تو میں بجلی ہوں۔ اگر مجھے شبہ بھی ہوا تم کوئی چال چل رہی ہو۔ کسی ادھیڑ بن میں لگی ہو۔ تو تم جانتی ہو مجھے کیا کچھ معلوم ہے۔ یہ بجلی تمہیں پھونک کر راکھ کر دے گی۔

دلارام۔ (مظلومی کے انداز میں) انارکلی! بہن!

انارکلی۔ (بگڑ کر) ثریا!

ثریا۔ آپا!――――

دلارام رخصت ہوتی ہے۔ ثریا غصے سے اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے۔ انارکلی اسے تکتی رہ جاتی ہے۔

پردہ

منظر سوم

قلعہ لاہور میں سفید پتھر سے بنا ہؤا ایک بلند مگر نہایت سادہ اور دل کُشا ایوان جسے دیکھنے سے دماغ پر ایک فرحت افزا خاموشی اور خنکی کا سا اثر ہوتا ہے ؛

اکبر ایک مسند پر آنکھیں بند کئے اور پیشانی پر ہاتھ اُلٹا رکھے چپ چاپ لیٹا ہے۔ معلوم ہوتا ہے سخت ذہنی محنت کے بعد اُس کا دماغ تھک گیا ہے۔ اور وُہ اب بالکل خالی الذہن ہوکر اپنے مضمحل اعصاب کو آرام پہنچانا چاہتا ہے ؛

مہارانی پاس بیٹھی ہے۔ سامنے کنیزیں رقص کر رہی ہیں۔ مہارانی ٹھوڑی ہاتھ پر رکھے کچھ سوچ رہی ہے ؛

اکبر ایک دو مرتبہ آنکھیں کھول کر یُوں کنیزوں کی طرف دیکھتا ہے۔ گویا ان کا رقص اُسے تکلیف پہنچا رہا ہے۔ آخر ہاتھ اُٹھاتا ہے اور کنیزیں جہاں ہیں وہیں ساکت ہو جاتی ہیں ؛

مہارانی۔ (خاموشی سے چونک کر اکبر کو دیکھتی ہے) مہاراج ؟

اکبر۔ (مُنہ موڑتے ہوئے کنیزوں سے) جاؤ ؛

(کنیزیں رُخصت ہو جاتی ہیں)

مہارانی - کیوں مہابلی ؟

اکبر - (آنکھیں بند کئے ہوئے) راحت نہیں۔ ان کے رقص کے قدم میرے تھکے ہوئے دماغ کو صدمہ پہنچاتے ہیں ٭

مہارانی - پھر اتنی محنت کیوں کیا کرتے ہیں مہاراج ؟

اکبر - (آنکھیں کھول کر چُپ چاپ پڑا کچھ دیر سامنے تکتا رہتا ہے۔ اور پھر سکون سے) شہنشاہ ہُوں رانی ٭

مہارانی ——— اور پھر بھی ؟

اکبر - (پرمعنی انداز میں) کس کا قیاس جرأت کر سکتا ہے کیا چاہتا ہُوں ٭

مہارانی - سیوک جو موجود ہیں ٭

اکبر - (طنز کے خفیف تبسم سے) سیوکوں نے کتنے بادشاہوں کو اکبرِ اعظم بنا دیا ٭

مہارانی - نورتن اتنے بے حقیقت ہیں ؟

اکبر - (سکون سے) اگر اُن کو اکبر کے خواب ہدایت نہ دیں ٭

مہارانی - خواب !

اکبر - (خواب ناک نظروں سے سامنے کہیں دُور تکتے ہوئے) میری فوجیں، میری سیاست میرے نورتن سب میرے خوابوں کے پیچھے آوارہ ہیں۔ کون میری طرح ناممکن کے خواب دیکھ سکتا ہے ؟ کون میری طرح اپنے خوابوں کو حقیقت سمجھ سکتا ہے . . . میری عظمت میرے خواب ہیں رانی ٭

مہارانی - آپ کی عظمت ؟

اکبر۔ اور ابھی تک . . . ہندوستان ایک مسکین کُتّے کی طرح میرے تلوے چاٹ رہا ہے۔ مگر ابھی تک میری زندگی کا سب سے بڑا خواب ان دیکھا پڑا ہے اور میں اسے جنم دینے کا عزم اپنے میں نہیں پاتا ۔

مہارانی۔ خواب کا جنم ؟ کیا کہہ رہے ہیں مہابلی ؟

اکبر۔ انسان کے جنم سے بہت زیادہ عزم چاہتا ہے رانی ـــــ اور میں بہت تھک گیا ہوں اور اکیلا ہوں . . شیخو۔ کاش شیخو . . . ۔

مہارانی۔ (اکبر کا مُنہ تکتے ہوئے) شیخو ؟

اکبر۔ اپنے اجداد سے مختلف نہ ہو۔ تُورانی . . . مغل . . . ۔

مہارانی۔ مغل کیا ؟

اکبر۔ (آہستہ سے) لیکن ابھی کون جانتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے (کسی قدر بے تاب ہو کر) مُغلوں میں کوئی خواب دیکھنے والا نہ تھا۔ اُنہیں اکبر مل گیا۔ اگر اکبر کے جانشینوں میں تیمور کی طوفانی رُوح بابر کی حیرت انگیز معلومات اور ہمایوں کا آہنی استقلال ہوا . . . (آہستہ سے) لیکن ابھی کون جانتا ہے شیخو . . . (کڑک کر) ہا ! زمین سر پٹخ پٹخ کر رہ جائے۔ اور قرن اور صدیاں اُس کے سینے سے مُغل عَلَم کو نہ اُکھاڑ سکیں ۔

مہارانی (مناسب جواب کی کوشش میں) شیخو آپ کا موزوں جانشین ہوگا ۔

اکبر۔ (گرم ہو کر) اگر اس کا یقین ہو جاتا۔ تو میں اپنے دماغ کا آخری ذرّہ تک خواب میں تبدیل کر دیتا۔ لیکن میری تمام اُمیدوں سے وُہ اتنا ہے . جتنا ہے اتنا بے نیاز ہے کہ میں لیکن میرا سب کچھ وہی ہے میں

نہیں کہہ سکتا مجھے کتنا عزیز ہے۔ کاش وہ میرے خوابوں کو سمجھے۔ ان پر ایمان لے آئے۔ اسے معلوم ہو جائے اس کے فکرمند باپ نے اس کی ذات سے کیا کیا ارمان وابستہ کر رکھے ہیں۔ وہ اپنی موت کے بعد اس میں زندہ رہنے کا کتنا مشتاق ہے . . . (سوچتے ہوئے) لیکن ابھی کیا معلوم . . . . ؞

مہارانی۔ ابھی بچہ ہی تو ہے ؞

اکبر۔ (نمائش آمیز متانت سے) ہماری محبت دیوانی نہیں کہ اس کا سن و سال بھول جائے۔ اور ہم چاہتے ہیں تم بھی اُسے یقین دلاؤ کہ فی الحال وہ ایک بے پروا نوجوان کے سوا اَور کچھ نہیں ؞

مہارانی۔ مگر وہ اپنے ہم عمروں سے کچھ بہت مختلف تو نہیں ہے ؞

اکبر۔ (کسی قدر برافروختہ ہو کر) یہ تم مجھ سے کہہ رہی ہو؟ اکبر سے؟ جو اس عمر میں ایک سلطنت کا بوجھ اپنے کم سن کندھوں پر اُٹھا چکا تھا۔ جس نے دُنیا کی بے باک نظروں کو جھکنا سکھا دیا تھا۔ جو اس عمر میں مفتوح ہند کو متحد کرنے کے دشوار مسائل میں منہمک تھا۔ ہاں جو اس عمر میں خواب تک دیکھتا تھا (اُٹھ کھڑا ہوتا ہے) تم ماں ہو۔ صرف ماں (جانا چاہتا ہے)

مہارانی۔ آپ بہت تھک چکے ہیں۔ ابھی آرام فرمائیے ؞

اکبر۔ کوئی رقص لاؤ۔ کوئی موسیقی۔ نرم۔ نازک۔ خوش آیند (بیٹھ جاتا ہے) انارکلی کہاں ہے؟ اُس کو بلاؤ۔ وہ تھکے ہوئے دماغ کو ٹھنڈک پہنچانا جانتی ہے ؞

مہارانی ۔ انارکلی بیمار ہے مہاراج ۔ اور اُس کی ماں چاہتی ہے ۔ آپ کی اجازت ہو ۔ تو اُسے تھوڑے عرصے کو تبدیلِ آب و ہوا کے لئے کسی دُوسرے شہر بھیج دِیا جائے ۔

اکبر ۔ (نیم دراز ہوتے ہوئے) حکیم نے اُسے دیکھا ؟

مہارانی ۔ کچھ تشخیص نہ کر سکا ۔ لیکن خود انارکلی سمجھتی ہے ۔ آب و ہوا کی تبدیلی اُس کے لئے مُفید ہو گی ۔

اکبر ۔ (بے پروائی سے) تُم کو اعتراض نہیں تو اس کو اجازت ہے ۔

مہارانی ۔ لیکن حرم سرا کے جشن میں تھوڑے سے دِن رہ گئے ہیں ۔ اور انارکلی کے بِنا جشن سُونا رہ جائے گا ۔

اکبر ۔ (کروٹ لیتے ہوئے) پھر مت جانے دو ۔

مہارانی ۔ دباؤ ڈالنا اچّھا نہیں معلوم ہوتا ۔

اکبر ۔ زبردستی کیوں ظاہر ہو ۔ جشن تک اس کو علاج کے بہانے سے ٹھہرا لیا جائے ۔ اور جشن میں شامل کرنے کے بعد رُخصت دے دی جائے ۔

مہارانی ۔ لیکن وُہ جشن کا اہتمام کیسے کر سکے گی ؟

اکبر ۔ صرف رقص و سرود . . . انتظام کسی دُوسرے کے سپُرد ہو ۔

مہارانی ۔ دلارام !

اکبر ۔ ہاں کہاں ہے وُہ ۔ اُس کو بلاؤ ۔ اس کا گیت میرے دماغ کو تازگی بخشے گا ۔

(رانی تالی بجاتی ہے)

(ایک خواجہ سرا حاضر ہو کر دست بستہ کھڑا ہو جاتا ہے)

مہارانی ۔ دلارام !

(خواجہ سرا رخصت ہوجاتا ہے)

جشن کے متعلق کوئی ہدایت ؟

اکبر ۔ (کسی قدر چڑکر) میرا نورتن کو ہدایت دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے ۔

مہارانی ۔ جشن میں شطرنج کھیلیں گے آپ ؟

اکبر ۔ کون کھیلے گا ہم سے ؟

مہارانی ۔ میں سلیم سے کہوں گی ۔

اکبر ۔ اور اگر وہ جیت گیا تو ہم کو خوشی ہوگی ۔

(دلارام حاضر ہوکر مجرا بجالاتی ہے)

مہارانی ۔ دلارام حرم سرا کے جشن کا اہتمام انارکلی کی بجائے تجھے کرنا ہوگا ۔

دلارام ۔ بسر و چشم ۔

مہارانی ۔ اور انارکلی صرف رقص و سرود ہی کے لئے شریک ہوگی ۔

دلارام ۔ بہت بہتر ۔

مہارانی ۔ تو جانتی ہے جشن کے لئے کیا کچھ کرنا ہوگا ۔

دلارام ۔ حضور میں پہلے کئی جشنوں کا اہتمام کرچکی ہوں ۔

مہارانی ۔ اور دیکھ مہابلی سلیم سے شطرنج کھیلیں گے ۔

دلارام ۔ (کسی قدر چونک کر) صاحبِ عالم سے !

مہارانی ۔ ہاں !

(دلارام کے دماغ میں سلیم اور انارکلی کے خیالات اس قدر گھومتے رہے

ہیں کہ وُہ سُن کر کھوئی سی جاتی ہے)
جشن شیش محل میں ہوگا۔ اور روشنی ———— تو سُن رہی ہے ؟

دِلارام۔ (چونک کر) صاحب عالم!

مہارانی۔ پگلی! کیا صاحب عالم ؟

(اکبر آنکھ کھول کر دلارام کی طرف دیکھتا ہے)

دِلارام۔ صاحب عالم علیل تھے مہارانی ۔

اکبر۔ نہیں وُہ شریک ہوگا ۔

مہارانی۔ سُنا۔ جشن شیش محل میں ہوگا۔ اور روشنی . . .

اکبر۔ اب بس۔ پہلے کوئی گیت۔ سیدھا سادا اور میٹھا۔ مگر آواز دھیمی اور نرم۔ گرم اور زخمی دماغ کو ایک ٹھنڈا مرہم چاہئے۔ رقص ہلکا پھلکا۔ گھنگروؤں کا شور نہ ہو۔ بہت چکّر نہ ہوں۔ پاؤں آہستہ آہستہ زمین پر پڑیں جیسے پھول برس رہے۔ برف کے گالے زمین پر اُتر رہے ہیں لیکن خمار نہ ہو نیند نہ آئے۔ ہمیں پھر مصروف ہونا ہے ۔

(دِلارام رقص شروع کرتی ہے۔ مگر رقص کے دوران میں بھی وُہ سوچ میں ہے۔ اور ذہنی مصروفیت کے باعث اُس کے رقص میں نقص نظر آرہے ہیں)

اکبر۔ (اُٹھ کھڑا ہوتا ہے) کچھ نہیں کسی کو نہیں آتا۔ کوئی نہیں جانتا ———— اور انارکلی علیل ہے ۔

(اکبر اور پیچھے پیچھے مہارانی جاتی ہے)

دِلارام۔ (جیسے سوچ میں سُن کھڑی رہ جاتی ہے) انارکلی ہوگی . . . سلیم ہوگا۔

. . . اور اکبر بھی . . . کاش اگر اکبر دیکھ سکتا . . . کاش
اگر میں اکبر کو اس کی آنکھوں سے دکھا سکتی . . . آہ! پر یہ ضرور ہوگا
اور جشن ہی کے روز . . . دو تارے . . . وہی دو تارے . . .
مگر ایک دمکتا اور جگمگاتا ہوا . . . اور دوسرا ٹوٹ کر بجھا ہوا . . .
اور کون جانتے! . . .

(آہستہ سے زمین پر بیٹھ جاتی ہے۔ اور سر جھکا کر ایک گہری سوچ میں کھو ئی
جاتی ہے)

پردہ

منظرِ چہارم

قلعہ لاہور کے شیش محل میں جشنِ نوروز ؎

جشنِ نوروز کی تقریب میں یُوں تو تمام شہر اور قلعہ جاہ و جلال مغلیہ کا آئینہ بردار بنا ہوا ہے اور جس طرف بھی نظر اُٹھتی ہے۔ بہار کے خود فراموش عیش و تنعّم کی آغوش میں متوالے نظر آتے ہیں لیکن حرم شاہی میں تجمّل و شوکت کے ساتھ رونق اور چہل پہل کا ایسا دلاویز ہنگامہ ہے جس کی تابانی و درخشانی آنکھیں خیرہ کئے دیتی ہے ؎

زربفت و کمخواب نے در و دیوار میں ایک آگ سی لگا رکھی ہے۔ ایران و ترکستان کے رنگا رنگ قالینوں نے زمین کو گلزار بنا دیا ہے۔ دروازوں پر چین و ماچین کے خوش نگار پردے کسی طلسم کی رازداری کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ جھاڑ فانوس قمقموں اور قندیلوں سے وسیع ایوانوں کی چھتیں دُنیائے شعر کا آسمان نظر آ رہی ہیں ؎

حرم سرا کے وسیع صحن میں دِن کا وُہ ہنگامہ تو نہیں رہا جو تلادان اور دوسری ریتوں رسموں کے وقت برپا تھا۔ تاہم گہما گہمی کا اب بھی عجب عالم ہے۔ نادرہ کار آتش بازوں کی

ہُنر مندی کے نئے نئے نمونے جمع ہیں۔ شتابہ دکھانے میں صرف ظلِّ الٰہی کے باہر آنے کا انتظار ہے۔ مقربین باری باری ظلِّ الٰہی کے برآمد ہونے کی خبریں لا رہے ہیں۔ جو کوئی اندر سے آتا ہے اُس کے گرد ایک ہجوم جمع ہو جاتا ہے۔ زہرہ جمال بیگمیں اور شہزادیاں ہلکے ہلکے رنگوں کی خوش وضع شلواروں پر جھلمل جھلمل کرتی پشوازیں پہنے۔ بیش قیمت جواہرات سجائے۔ کوئی شبنم کا دوپٹہ اوڑھے کوئی سرپر کلغی دار بانکی پگڑی رکھے باغِ ارم کی تیتریاں معلوم ہو رہی ہیں۔ بہت سی انتظار میں بیقرار کھڑی ہیں۔ جو تھک چکی ہیں، وہ بیٹھ گئی ہیں۔ کوئی ٹولی آپس میں ہاتھ پکڑے ٹھمک ٹھمک چلی آ رہی ہے۔ کوئی بے فکری کسی ہجوم میں بیٹھی قہقہے چہچہے اُڑا رہی ہے۔ کہیں پہیلیاں مکرنیاں کہی جا رہی ہیں۔ کوئی بیٹھی اُڑتی اُڑاتی خبریں اور لطیفے سنا رہی ہیں کہیں سوانگ بھرا جا رہا ہے۔ دیکھنے والیوں کا ٹھٹھ لگ رہا ہے کسی جگہ ناچ رنگ کی محفل برپا ہے۔ ڈھولک۔ ستار۔ طنبورہ اور طبلہ کھڑک رہا ہے کسی جگہ شام کی ریتیں اور رسمیں ادا ہو رہی ہیں۔ نیاز دی جا رہی ہے حصے تقسیم کئے جا رہے ہیں۔ آؤلے جاؤ کا غل مچ رہا ہے۔ حبشنیاں۔ ترکنیاں اور قلماقنیاں اپنے اپنے شوخ رنگ لباسوں کی وجہ سے امتیاز کی جا سکتی ہیں۔ کنیزیں ترت ترت آ جا رہی ہیں خواجہ سرا ادھر سے اُدھر بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔ کوئی اسے بُلا رہا ہے۔ کوئی اُسے پُکار رہا ہے۔ کوئی خوان اُٹھائے لئے جا رہا ہے۔ کوئی پان الائچی بانٹ رہا ہے۔ کوئی مہمان بیگموں کو شربت پلا رہا ہے۔ اندر بچوں اور رنبچّے والیوں نے غُل مچا رکھا ہے۔ باہر شادیانوں نے تمام قلعہ سر پہ اُٹھا رکھا ہے ؛

لیکن اس ہنگامے کی آوازیں اندرشیش محل کے ایوان خاص تک نہیں پہنچیں۔ وہاں اگر کوئی آواز ہے تو سرنائیوں اور شہنائیوں کی جو اتنے محتاط فاصلے پہ بجائی جا رہی ہیں کہ اُن کے نشاط بخش نغمے خوش آئند لوری کی طرح ایوان میں پہنچ رہے ہیں جگہ جگہ نئی وضع کے یک شاخوں

دو شاخوں اور فانوسوں میں لمبی لمبی - کوئی سیدھی کوئی بل کھاتی ہوئی سفید اور رنگین کافوری شمعیں روشن ہیں - زرّیں و سیمیں مجمروں میں سے عود و عنبر اور رُوح افزا کے نکہت بیز بادل اُٹھ رہے ہیں - اور آئینوں میں روشنیاں منعکس ہونے سے جو چکا چوند پیدا ہو رہی ہے اس میں مل جُل کر تمام ایوان پر عالم خواب کی کیفیت طاری کر رہے ہیں ۔

یہاں اکبر ایوان کے پرلے کونے میں ایک مرصّع تخت پر جو تین سیڑھیاں اُونچا ہے زرّین تکیوں کے سہارے نیم دراز ہے - ماتھے پر تلک ہے - لباس سادہ مگر جواہرات انمول - دوسری طرف سلیم پُر تکلف لباس پہنے سج دھج نکالے گلزارِ شباب کا نوشگفتہ پھول ایک نسبتاً نیچے تخت پر دوزانو بیٹھا ہے - اکبر کے دائیں ہاتھ ایک تخت پر رانی بیٹھی ہے - بائیں ہاتھ ایک لمبے تخت پر مالائیں - دوشالے دوپٹے اور دوسرے بیش قیمت تحفے سلیقے سے چُنے ہوئے ہیں اِدھر اُدھر بیگمیں اور شہزادیاں چوکیوں اور فرش پر مؤدّب بیٹھی ہیں - اُن کے پیچھے تُرکنیاں اور قلماقنیاں سونے اور رُوپے کے عصا ہاتھ میں لے کر بُت بنی کھڑی ہیں ۔

یہاں اکبرِ اعظم سلیم سے شطرنج کھیل رہا ہے - ایوان کے فرش پر بساط بچھی ہے جس پر نوجوان اور حسین کنیزیں مُہرے بن کر کھڑی ہوئی ہیں - اور اپنے سر کے لباس سے شناخت کی جا سکتی ہیں - جو کنیز جس کا مُہرہ بنی ہوئی ہے - اُس پر نظر جائے اُس کے اشارے کی منتظر ہے - جو پٹ چکی ہیں وہ بساط کے کنارے خاموش بیٹھی ہیں - اکبر کے پیچھے دِلارام مُنتظم کی حیثیت سے کھڑی ہے - لیکن نظریں کہہ رہی ہیں - کہ اس کا دماغ اس کھیل سے کسی زیادہ اہم کھیل کی چالیں سوچنے میں منہمک ہے ۔

اکبر - تُم نے ہمارا فرزین لے لیا ــــــ فرزین لے لیا ہمارا! ــــ بہت خوب! ــــ پھر اب تُمہیں مات بھی لینی ہوگی ــــ سُنا شیخو ــــ

اب تمہیں ـــــ مات بھی لینی ہوگی ـــــ ہے! پیدل کی کشت!

(جو کنیز پیدل بنی ہوئی ہے۔ اشارہ پاتے ہی چھن چھن کرتی چلتی ہے۔ اور اگلے خانے میں جا کھڑی ہوتی ہے)

سلیم۔ (مسکرا کر) ظلِ الٰہی۔ اب بازی ہوگئی آپ کو۔ میں شاہ کو آگے ہی بڑھ کر بچا۔

(جو کنیز شاہ بنی ہوئی ہے حکم کی تعمیل میں آگے بڑھتی ہے)

اکبر۔ ہوں! تو اب تم ہمارے چنگل سے نہیں نکل سکتے۔ اسپ شاہ کے سامنے!

(اسپ اس خانے میں جاتا ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے)

دیکھا شیخو۔ پیدل پر زور پہنچا۔ اور تمہارے وزیر کو بھی ہٹنا پڑا۔

سلیم۔ ظلِ الٰہی میرا مات کا نقشہ اور صاف ہوگیا۔ فرزین پیچھے تیسرا خانہ!

(فرزین پیچھے تیسرے خانے میں جاتا ہے)

اکبر۔ (مسکراتے ہوئے) ہم سمجھتے ہیں تم کس فکر میں ہو ـــــ فیل کنارے کا تیسرا خانہ!

سلیم۔ رُخ پر! یہ رُخ مرنے کو نہ بیٹھے گا۔ یہ مات دینے جا رہا ہے۔ کونے کا خانہ!

(سلیم یہ سمجھ کر کہ اب اکبر کے لئے مات بچانا ناممکن ہے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے) ظلِ الٰہی! بازی ہوگئی۔

اکبر۔ شیخو۔ جب خود چال چلو تو اُس کے ساتھ دُوسرے کی چال کا بھی خیال رکھا کرو! اِدھر دیکھو! فیل! کشت! مات! (سلیم اس غیر متوقع چال پر حیرت کے عالم میں تخت پر بیٹھ جاتا ہے) اب اچنبھے میں نہ پڑو۔ افسوس نہ کرو۔ ہم خوش ہیں کہ تمہارا کھیل ہماری توقع سے بہت بہتر تھا (سلیم جھک کر تسلیم بجا لاتا

ہے)

(کافور داخل ہوتا ہے)

کافور۔ ظلِ الٰہی! آتش بازی میں تماشا دکھانے کو صرف ارشاد کا انتظار ہے ٭

اکبر۔ شیخو آؤ۔ ہمارے ساتھ آتش بازی کا نظارہ کرو ٭

(اکبر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ساتھ ہی تمام بیگمات اور شہزادیاں مؤدب کھڑی ہو جاتی ہیں۔ باہر بلند آواز سے تاشے باجے بجنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اکبر تخت پر سے اُترتا ہے۔ عصا بردار بڑھ کر پردے کھول دیتے ہیں۔ آگے آگے عصا بردار۔ اُن کے پیچھے اکبر اور بعد میں رانی سلیم اور دوسری بیگمات اور شہزادیاں باہر جاتی ہیں۔ سب سے آخر میں وہ کنیزیں جاتی ہیں جو مہرے بنی ہوئی تھیں۔ اندر ایوان میں دلارام تنہا تخت کی سیڑھیوں پر کھڑی رہ جاتی ہے۔ باہر سے شور و غل اور نعروں کی آوازیں آتی ہیں۔ کچھ دیر خاموش رہتی ہے۔ پھر چونک کر چار مرتبہ تالی بجاتی ہے۔ چار خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں)

دلارام۔ بازی ہو چکی۔ بساط بڑھاؤ ٭

(خواجہ سرا بساط کو تکلف سے تہ کرتے اور لے جاتے ہیں۔ اُن کے رُخصت ہو جانے کے بعد دلارام آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی ہوئی اس جگہ آکھڑی ہوتی ہے جہاں بساط بچھی ہوئی تھی)

اور اب نیا کھیل اور نئے کھلاڑی۔ نئے مہرے اور نئی بازی!

(باہر آتش بازی چلنی شروع ہو گئی ہے۔ اور شور و غل بڑھ رہا ہے)

مُہرے فرش پر اور کھلاڑی عرش پر ! (چُپ ہو جاتی ہے اور سامنے تکنے لگتی ہے)
(کھلے دروازے میں سے آتش بازی کی سبز روشنی آ کر اس کے چہرے
پر کانپ رہی ہے)
یا کون جانے مُہرے عرش پر اور کھلاڑی فرش پر ! (تصورات منہمک کر لیتے
ہیں)
(یک لخت لال۔ ہری اور پیلی روشنیاں اُس پر پڑتی ہیں۔ رنگا رنگ
کی آتشبازی چھوٹنے پر باہر داد و تحسین کا شور زیادہ ہو رہا ہے)
لیکن بازی ! بازی ! آج ہی یہیں ۔ ابھی ۔ اور پھر جو ہو ! (چہرہ اُونچا
کر کے آنکھیں بند کر لیتی ہے)
(باہر تاشے ڈھول اور جھانجیں بج رہی ہیں)
(عنبر اور مروارید داخل ہوتی ہیں)

عنبر۔ دلارام !
مروارید۔ یہاں کیا کر رہی ہو ۔ چلو آتش بازی کا تماشا دیکھو ۔
دلارام۔ (سکون سے) اس سے بہتر آتش بازی کچھ دیر بعد یہاں ہوگی ۔
عنبر۔ (حیران ہو کر) آتش بازی ۔ یہاں خاص ایوان میں ؟
مروارید۔ وہ کیسی !
دلارام۔ وقت مشعل لئے ہُوئے آ رہا ہے ۔ کچھ دیر بعد خود دیکھ لوگی ۔
عنبر۔ کچھ بتاؤ تو سہی ۔
دلارام۔ خاموش رہو اور انتظار کرو ۔

مروارید - آخر ہے کیا ؟

دِلارام - (دروازوں کی طرف دیکھ کر) چُپ پہلے اِدھر آؤ۔ مُنّہ سے کچُھ نہ بولو۔ جو کچُھ مَیں کہتی ہوں کرتی جاؤ۔ (سلیم کا تخت اُٹھوا کر دُوسری طرف رکھواتی ہے)
مروارید تم یہاں بیٹھو (دروازے پر ایک نظر ڈال کر مروارید کو تخت پر بٹھا دیتی ہے)
عنبر۔ تم یہاں کھڑی ہو (اسے ایوان کے بیچوں بیچ کھڑا کر دیتی ہے۔ اور خود جا کر اکبر کے تخت کی سیڑھیوں پر کھڑی ہو جاتی اور سر آگے پیچھے کر کے آئینوں کو دیکھتی ہے۔ بے اطمینانی سے سر ہلاتی ہے۔ سیڑھیوں پر سے اُتر آتی ہے) ٹھیک نہیں۔ ٹھیک نہیں یقیناً نہیں۔ عنبر یہاں آنا (پچھلی دیوار کے ساتھ ایک بڑا حلبی آئینہ کھڑا ہے۔ عنبر کی مدد سے اسے سرکاتی ہے) مروارید اس تخت کو ادھر سرکاؤ۔ عنبر تم پھر اپنی پہلی جگہ کھڑی ہو جاؤ (پھر تخت کی سیڑھیوں پر چڑھتی اور غور سے کبھی آئینے اور کبھی سلیم کے تخت کو دیکھتی ہے۔ چہرے پر اطمینان کے آثار نمودار ہوتے ہیں) بُہت خوب! بُہت خُوب! آ جاؤ! (تینوں پھر ایوان کے درمیان میں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ دلارام مسرور نظر آتی ہے۔ عنبر اور مروارید حیران ہیں)

(آتش بازی کی روشنیاں تمام ایوان میں ناچ رہی ہیں)

عنبر - یہ کیا بات ہوئی۔ ہماری سمجھ میں تو خاک بھی نہیں آیا ٭

دِلارام - یہاں کچُھ بھی نہیں جو دیکھو اور سمجھو۔ سب کچھ فضا میں ہے۔ تاروں میں ہے۔ لیکن اُتر رہا ہے نیچے آ رہا ہے۔ مَیں دیکھ رہی ہُوں۔ صاف صاف دیکھ رہی ہُوں۔ اُترے گا اور یہیں۔ ٹھیک اِسی جگہ۔ اور آج ہی کی رات میں۔ اور پھر تُم ہی کو نہیں ہر ایک کو نظر آئے گا ٭

مرواریدؔ۔ یہ تم بھی کبھی کیسی پگلوں کی سی باتیں کرنے لگتی ہو ؎

دلارامؔ۔ (ایک لخت) عنبر مروارید سُنو۔ میرے حجرے میں جاؤ۔ یہ رہی کُنجی (چابی مروارید کو دیتی ہے) وہاں طاق میں ایک عرق کا شیشہ رکھا ہے۔ جاکر لے آؤ ؎

عنبرؔ۔ (دلارام کا منہ تکتے ہوئے) کیسا عرق ؟

دلارامؔ۔ اور دیکھنا کوئی دیکھ نہ لے کسی کو معلوم نہ ہونے پائے (عنبر مروارید گومگو کے عالم میں دلارام کا منہ تک رہی ہیں)

(باہر تاشوں باجوں کے غل میں گولے چھوٹ رہے ہیں۔ اور ہر گولے کے بعد تماشائیوں کا نعرۂ تحسین سُنائی دیتا ہے)

(سلیم جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہؤا داخل ہوتا ہے)

سلیمؔ۔ دلارام !

دلارامؔ۔ صاحب عالم !

سلیمؔ۔ تم مصروف ہو ؟

دلارامؔ۔ کوئی مصروفیت بھی صاحب عالم کی خدمت سے زیادہ اہم نہیں (عنبر مروارید سے) جاؤ جو کچھ مَیں نے منگایا ہے بہت احتیاط سے لے کر آؤ ؎

(سلیم سے) مَیں تعمیلِ ارشاد کو حاضر ہوں ؎

سلیمؔ۔ (شرماکر) کچھ نہیں مَیں انارکلی کو پوچھتا تھا ؎

دلارامؔ۔ رقص وسرود کے لئے آیا چاہتی ہے ؎

سلیمؔ۔ (کسی قدر تامّل سے) اور رقص وسرود کے بعد ؟

دلارام۔ جو آپ کا فرمان ہو ۔

سلیم۔ (ذرا دیر دلارام کو دیکھ کر جو تسلیم و رضا کی تصویر نظر آ رہی ہے) دلارام میں نہیں جانتا تمہارے احسانوں کا شکریہ کیونکر ادا کروں۔ انعام تم قبول نہیں کرتیں۔ شکریے کے موزوں الفاظ مجھے ملتے نہیں۔ مجھے گمان تک نہیں تھا کہ تم جس سے مجھے طرح طرح کے اندیشے تھے۔ ایک روز یوں میرے اور انارکلی کے درمیان واسطہ بن جاؤ گی۔ خود میری اور اُس کی ملاقاتوں کے موقعے نکالو گی۔ حرم سرا میں میری سب سے بڑی رازدار ہو گی ۔

دِلارام۔ صاحب عالم بھولتے ہیں کہ ان کے پاس میری ایک بہت بڑی حماقت کا راز ہے ۔

سلیم۔ تم کیوں اپنے احسانوں کو معاوضہ کا رنگ دیتی ہو ۔

دِلارام۔ صاحب عالم کی خوشنودی میرا ایمان ہے ۔

سلیم۔ لیکن دلارام اب تک مجھے حجاب معلوم ہوتا ہے۔ جب میں تم سے ——

دِلارام۔ (مطلب سمجھ چکی ہے) آپ کے کہنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ ظلِّ الٰہی کے حضور میں رقص و سرود ہو چکنے کے بعد جب انارکلی فراغت پا جائے گی۔ تو ——

(رُک جاتی ہے)

سلیم۔ دِلارام (کسی قدر حجاب سے) تم کتنی عالی ظرف ہو ۔

دِلارام۔ میں صرف کنیز ہوں (سر جھکا لیتی ہے۔ دونوں خاموش ہیں۔ سلیم شرمایا ہوا سا ہے)

(باہر شہنائیاں بج رہی ہیں اور غبارے چھوڑے جا رہے ہیں۔ شور و غل کسی قدر کم ہو گیا ہے)

سلیم ۔ (کچھ دیر بعد) تم نے انارکلی کو آج دیکھا ہے ؟
دلارام ۔ اس کا سنگار آج تو بہ شکن ہے ۔ سونے میں پیلی موتیوں میں سفید ہو رہی ہے ۔
سلیم ۔ (اشتیاق سے) کب تک آئے گی ؟
دلارام ۔ ظلِّ الٰہی کے تشریف لاتے ہی لیکن صاحبِ عالم مجھے اندیشہ ہے ۔ آج آپ ظلِّ الٰہی کے سامنے بھی ضبط سے کام نہ لے سکیں گے ۔
سلیم ۔ تم مجھے ابھی سے بے قابو کئے دے رہی ہو ۔
دلارام ۔ لیکن آپ بے فکر رہیں ۔ میں خود مناسب انتظام کر لوں گی کنیزیں ——
(ثریا داخل ہوتی ہے)
ثریا ۔ صاحبِ عالم ۔ تسلیم ۔
(سلیم جواب میں مسکرا کر سر ہلاتا ہے ۔ ثریا دلارام کو دیکھ کر کبیدہ سی ہو جاتی ہے)
دلارام ۔ (محض بات کرنے کی خاطر) ثریا انارکلی کہاں ہے ؟
ثریا ۔ ابھی آتی ہیں ۔
دلارام ۔ (ثریا کے آجانے سے بے چین سی ہے ۔ ذرا توقف کے بعد) میں جاؤں ۔ اسے جلد پہنچنے کی تاکید کروں (جلدی سے چلی جاتی ہے)
ثریا ۔ (دلارام کے اوجھل ہوتے ہی) صاحبِ عالم ۔ دلارام آپ سے کیا کہہ رہی تھی ؟
سلیم ۔ (مسکرا کر) کچھ نہیں ۔
ثریا ۔ (فکرمندی سے) صاحبِ عالم کو اس پر بہت زیادہ بھروسہ ہو گیا ہے ۔
سلیم ۔ تم بہت بدگمان ہو ثریا ۔
ثریا ۔ میں اس سے بہت زیادہ واقف ہوں ۔

سلیم۔ اسی لئے تم اس کی قدر نہیں کر سکتیں ۔

ثریا۔ اور کیا اسی لئے وہ مجھ سے کتراتی ہے ؟

سلیم۔ ایسی حالت میں وہ اس کے سوا کر بھی کیا ———

(زعفران اور ستارہ اندر آکر کورنش بجا لاتی ہیں۔ دونوں نے اس تکلف سے سنگار کر رکھا ہے کہ شرمائی جاتی ہیں)

اخاہ ! آج تو بڑے ٹھاٹھ ہیں زعفران !

ستارہ۔ زعفرانی جوڑا پہن کر نکلی ہیں۔ کہ کسی کو نام بھول جائے تو یاد پر زور نہ دینا پڑے ۔

زعفران۔ (شوخی سے) خیر مانگے تانگے کا دوپٹہ تو نہیں اوڑھ رکھا ۔

سلیم۔ ستارہ ! گھر کا بھیدی لنکا ڈھانے لگا ۔

ستارہ۔ اے حضور بکتی ہے۔ دوپٹہ دیکھ دیکھ کر جلی جا رہی ہے ۔

زعفران۔ لو اب میری زبان نہ کھلواؤ (ستارہ کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا منہ ثریا کی طرف کر دیتی ہے) ادھر دیکھ لو۔ دوپٹہ والی بھی کھڑی ہے ہیں ۔

ثریا۔ (اپنے خیال میں تھی۔ یک لخت دیکھتی ہے کہ سب اس کی طرف متوجہ ہیں۔ جلدی سے) نہ بوا مجھے بیچ میں نہ گھسیٹو !

ستارہ۔ (زعفران سے) بس ؟

زعفران۔ بس کیا۔ تو انہوں نے کون سا انکار کر دیا ہے ۔

سلیم۔ ثریا۔ یہ معمّا تو تمہیں ہی حل کرنا ہوگا۔ بتانا پڑے گا۔ یہ دوپٹہ کس کا ہے ؟

زعفران۔ (ثریا کو آنکھ مارتی ہے) ہاں ثریا بی ۔

ثریا۔ (شوخی سے) یہ اتنا شرماتی ہیں تو پھر ان ہی کا سہی ؎

زعفران۔ (چٹکیاں بجا بجا کر) آہا ہا ہا۔ بھانڈا پھوٹ گیا ؎

ستارہ۔ (ثریا سے) اچھا ٹھہر تو تو قطامہ (ثریا کی طرف بڑھتی ہے)

(ثریا ہنستی ہوئی بھاگ جاتی ہے۔ ستارہ منّہ پھلا کر کھڑی ہو جاتی ہے)

سلیم۔ چلو ہم کسی سے کہنے کے نہیں۔ غصّہ تھوک دو ؎

زعفران۔ (نیچے جُھک کر ستارہ سے آنکھیں چار کرتی ہے) سَو دِن سُنار کے ایک دِن لوہار کا ؎

(کافور داخل ہوتا ہے)

کافور۔ صاحبِ عالم۔ آتش بازی ہو چکی۔ ظلِ الٰہی آپ کو یاد فرما رہے ہیں ؎

سلیم۔ میں حاضر ہوا ؎

(جلدی سے رخصت ہو جاتا ہے۔ کافور چلنا چاہتا ہے)

زعفران۔ بی کافور ذرا بات تو سُنو ؎

ستارہ۔ (زعفران کی نظروں میں شوخی دیکھ کر مُدّعا سمجھ جاتی ہے) بی کافور آج تو بڑا جوبن نکالا ہے۔ (کافور مُسکرا کر تھم جاتا ہے)

زعفران۔ پھر کیوں نہ ہو۔ کپڑا لتّا آخر ہوتا کس دِن کے لئے ہے؟ کیوں بی کافور؟

کافور۔ بیٹی، میرا نیا جوڑا تو مُوئی مُبارک قدم نے سی کر ہی نہ دیا۔ مجبوری کو یہ پُرانا جوڑا پہننا پڑا ؎

ستارہ۔ کیوں نہیں۔ دارم چرا نہ پوشم ؎

زعفران۔ مگر بی کافور یہ گنگا جل پر گوشِ پیچ کی گوٹ تو ٹاٹ کی انگیا مُونجھ کا بخیہ ہو گئی۔ تم اپنا نیا جوڑا مُبارک قدم سے لے کر مجھے جو دے دو۔ کل پہننے

کے لئے راتوں رات سی دُوں گی ۔

کافُور۔ اے بیٹی تم جُگ جُگ جیو جو مجھ بڑھیا کا خیال رکھتی ہو ۔

زعفران۔ پر ایک شرط ہے (کافُور اشتیاق سے زعفران کا مُنہ تکتا ہے) رات کو چہرے پر تھوڑی سی قلعی کروا رکھنا (زعفران اور ستارہ دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑتی ہیں)

کافُور۔ نامُراد چڑیل کہیں کی ۔

(زعفران ستارہ کافور کا مُنہ چڑا کر بھاگ جاتی ہیں)

ٹھہر تو تُو سر مُونڈی ۔ ناک کاٹی ۔

(دلارام جلد جلد قدم اُٹھاتی ہوئی آتی ہے)

(کافور اسے دیکھ کر گھبرا جاتا اور لجاجت سے مُسکرا کر رُخصت ہونا چاہتا ہے)

دِلارام۔ بی کافُور تم یہاں کیا کر رہی ہو ؟

کافُور۔ کچھ نہیں بیٹی ۔ سجاوٹ دیکھنے کو کھڑی ہوگئی تھی ۔ واہ واہ کیسے سلیقے سے آرائش کی ہے ۔ یہ بات بھلا کسی اَور میں کہاں سے آئی !

دِلارام۔ خاموش ! ظلِ الٰہی !

(کافُور گھبرا کر رخصت ہو جاتا ہے ۔ دلارام سارے ایوان پر ایک نظر ڈال کر اپنا اطمینان کرتی ہے ۔ پھر ظلِ الٰہی کے استقبال کو مُڑنا چاہتی ہے کہ عنبر اور مروارید داخل ہوتی ہیں)

عنبر۔ دلارام یہ رہا عرق ۔

دِلارام۔ ساتھ کے حُجرے میں چُھپا کر رکھ دو ۔ اور میرے اشارے کی منتظر رہو ۔

(عنبر اور مروارید جلدی سے دُوسری طرف جاتی ہیں۔ دلارام دروازے کی طرف بڑھتی ہے۔ نفیریوں کی آواز تیز تر ہوتی جارہی ہے۔ عصابردار داخل ہوکر اپنے مقام پر مؤدب کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ان میں سے دُو دروازے کے دائیں بائیں ٹھہرتے ہیں۔ اکبر۔ رانی۔ سلیم۔ شہزادیاں اور بیگمات داخل ہوتی ہیں۔ سب کے داخل ہوچکنے کے بعد ایوان کے پردے کھینچ دئے جاتے ہیں۔ اکبر تخت کی سیڑھیاں چڑھ کر ایک لمحے کو ایوان پر نظر ڈالتا ہے۔ اور پھر بیٹھ جاتا ہے۔ باجے زور زور سے آخری مرتبہ بج کر بند ہوجاتے ہیں۔ اور دُور فاصلے کی شہنائیاں اور سرنائیاں بجنی شروع ہوجاتی ہیں۔ بیگمات اور شہزادیاں کورنش بجالاکر چوکیوں اور فرش پر بیٹھ جاتی ہیں۔ کنیزیں دست بستہ کھڑی رہتی ہیں۔ ایک خواجہ سرا تحائف کے تخت کے پاس جاکھڑا ہوتا ہے)

(سلیم رانی کے تخت کے قریب ایک چوکی پر بیٹھنا چاہتا ہے)

دِلارام۔ (آہستہ سے) صاحب عالم!

سلیم۔ (دلارام کے قریب آجاتا اور سرگوشی میں باتیں کرتا ہے) کیوں؟

دِلارام۔ (تخت کی طرف اشارہ کرکے) یہاں ظلّ الٰہی سے اوٹ ہے۔

سلیم۔ پھر؟

دِلارام۔ یہاں آنکھیں اور اشارے آزادی سے کام کرسکتے ہیں۔

سلیم۔ (مسکراکر اُس تخت پر بیٹھ جاتا ہے جو دلارام نے اُس کے لئے مخصوص کر رکھا ہے) انارکلی ابھی تک نہیں آئی؟

دِلارام۔ آیا ہی چاہتی ہے۔

سلیم۔ کہاں بیٹھے گی؟

دلارام۔ (آنکھ سے اشارہ کرکے) اُس طرف ٭

سلیم۔ عین مقابل؟

دلارام۔ صاحب عالم کی خوشنودی میرا ایمان ہے ٭

اکبر۔ (اس دوران میں رانی سے گفتگو کر رہا تھا۔ بات ختم کرنے کے بعد اِدھر اُدھر دیکھتا ہے کہ سلیم کہاں ہے) شیخو!

سلیم۔ (کھڑے ہوکر) ظلِ الٰہی؟

اکبر۔ اِتنی دُور کیوں؟

سلیم۔ ظلِ الٰہی وُہ ——————

دلارام۔ صاحب عالم علیل تھے۔ اس لئے کنیز نے علیحدہ جگہ رکھی۔ کہ جب چاہیں باہر آجا سکیں۔ ہاں اب رقص! (سلیم آنکھوں آنکھوں میں دلارام کا شکریہ ادا کرکے بیٹھ جاتا ہے)

(رقاصہ داخل ہوتی اور رقص شروع کرتی ہے۔ رقص میں رادھا کے جذباتِ فراق اور شیام کے انتظار میں اس کی بے تابیوں کا نہایت مؤثر اظہار ہے ٭

رقص کے دوران میں عنبر اور مروارید واپس آتی ہیں۔ دلارام سرگوشیوں میں ان سے گفتگو کرتی ہے ٭

رقاصہ جب ناچتی ناچتی اکبر کے قریب پہنچتی۔ تو وُہ اس خواجہ سرا کو اشارہ کرتا ہے۔ جو تحائف کے تخت کے قریب کھڑا ہے۔ وہ تخت پر سے ایک دوشالہ لے کر اکبر کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اکبر دوشالہ رقاصہ کی طرف پھینکتا ہے۔

رقاصہ اُسے اُٹھاکر دوزانو ہوجاتی ہے اور سر جھکاکر دائیں ہاتھ کی پشت زمین
سے لگاتی اور پھر آہستہ آہستہ پیشانی تک اُٹھاتی ہے)

دِلارام۔ (اس دوران میں عنبر سے) تم اَور کنیزوں کو ساتھ لے کر صاحب عالم کی نشست
کو ظلِ الٰہی سے اوٹ میں کرلو۔ اور میرے اشارے کی منتظر رہو (عنبر دلارام
کے کہے کی تعمیل کرتی ہے)

(انارکلی۔ اس کی ماں۔ ثریا۔ زعفران اور ستارہ داخل ہوکر کورنش بجالاتی
ہیں۔ انارکلی دلارام کے بیان کے مطابق نک سے سُک بناؤ سنگار کئے شعلہ
جوالہ معلوم ہو رہی ہے۔ دلارام اُسے دیکھتے ہی دُوسری طرف اُس کے قریب
جاتی ہے)

اکبر۔ ہاں! تم انارکلی! ماہِ کامل کو ننھے ستاروں پر فتح حاصل کرنے کے لئے ہالے
کی ضرورت نہیں۔ تو پھر اے نازنین یہ زرق برق پوشاک کس لئے؟

(انارکلی شرما جاتی ہے اور اُٹھ کر مجرا بجالاتی ہے)

زعفران۔ (آہستہ سے دلارام سے) اری کم بخت اب کہہ بھی ؛

دِلارام۔ کیا بکتی ہے چڑیل۔ اب انارکلی گائے گی ؛

ستارہ۔ انارکلی کے بعد ہمارا رقص کیا خاک جمے گا ؛

دلارام۔ پھر جانے دو ؛

زعفران۔ واہ بڑی آئیں منتظم بن کر کہیں کی۔ ابھی کچھ کہتی ہوں ؛

دِلارام زعفران کو غصے کی نظروں سے دیکھ کر خاموش کرنا چاہتی ہے)

اکبر۔ کیا ہے زعفران؟

زعفران۔ مہابلی۔ ایک رقص کی لونڈیاں بھی اُمیدوار ہیں ؎

اکبر۔ کیسا رقص ؟

زعفران۔ بہن انارکلی نے اُس کا نام رقصِ ناگیاں رکھا ہے ؎

اکبر۔ (مُسکرا کر) رقصِ ناگیاں ! تم نے انارکلی ؟

(انارکلی شرمائی ہوئی کھڑی ہو کر مُسکرا پڑتی اور مجُرا بجا لاتی ہے)

تُم کو اجازت ہے زعفران ؎

(زعفران اور ستارہ رقص کی تیاری کرتی ہیں۔ سلیم ثریا کو اشارے سے بلاتا ہے۔ ثریا اِدھر اُدھر دیکھتی ہے۔ ایک خواجہ سرا خاصدان لئے کھڑا ہے۔ خاصدان اُس کے ہاتھ سے لے لیتی ہے۔ اور پان پیش کرنے کے بہانے سلیم کے پاس جاتی ہے۔ سلیم سرگوشیوں میں گفتگو کرتا ہے)

سلیم۔ انارکلی مجھ سے ناراض ہیں ؟ (خاصدان میں سے پان کا بیڑا لیتا ہے)

ثریا۔ وُہ کیوں ناراض ہوتیں ؟

سلیم۔ آنکھ اُٹھا کر بھی اِدھر نہیں دیکھا ؎

ثریا۔ دیکھتے نہیں خلقِ الٰہی موجود ہیں ؎

سلیم۔ مگر یہ بھی تو دیکھو۔ میں کس جگہ بیٹھا ہُوں ؎

ثریا۔ وُہ تو ٹھیک سامنے ہیں ؎

سلیم۔ جاؤ میرا سلام کہہ دو ؎

(ثریا واپس جا کر خاصدان خواجہ سرا کو دے دیتی ہے۔ اور انارکلی سے کان میں بات کرتی ہے۔ انارکلی سلیم کی طرف دیکھ کر نظریں جُھکا لیتی ہے ؎

زعفران اور ستارہ رقص شروع کرتی ہیں۔ رقص میں دو لڑاکا بہنوں کے تعلقات کا اظہار ہے۔ جن کی کبھی بنتی کبھی بگڑ جاتی ہے۔ بنتی تھوڑی اور بگڑتی زیادہ ہے ذرا کمر میں ہاتھ ڈالا۔ گلے ملیں۔ رخسار سے رخسار ملایا اور بگاڑ کی کوئی وجہ پیدا ہوگئی۔ ایک نے دوسری کا زیور دیکھ کر منہ بُرا سا بنا لیا۔ اُس نے جواب میں منہ چڑا دیا۔ بس مرغیوں کی طرح ایک دوسرے سے گتھ گئیں۔ اِس نے اُس کے چُٹکی بھری۔ اُس نے اِس کی چُٹیا کھینچی۔ خوب لڑائی ہوئی۔ ایک ہار گئی دوسری جیت کر ہنس پڑی۔ ذرا دیر میں ہنسنے والی کو رحم آیا۔ روتی بہن کو جا منایا۔ آنسو پونچھے۔ گلے لگایا۔ صُلح صفائی ہوگئی۔ اب رونے والی نے آرسی دیکھی ناز سے بھویں چڑھائیں۔ پھر بہن کے سامنے آرسی یُوں کر دی گویا کہہ رہی ہے اپنی صُورت تو دیکھو۔ اس پہ دُوسری جل گئی۔ پھر لڑائی کی ٹھن گئی۔ اُس نے چپت جڑی۔ اُس نے کاٹ کھایا۔ خوب جُوتی پیزار ہوئی۔ غرض بار بار یُوں ہی بنتی بگڑتی رہی۔ یہاں تک کہ دونوں بے دم ہوکر گر پڑیں)

(تمام محفل نے ہنس ہنس کر اس رقص کی داد دی)

اکبر۔ یہ رقص انعام کا مستحق ہے

(زعفران اور ستارہ تخت کے قریب جاتی ہیں۔ اکبر انہیں بیش قیمت دوشالے انعام میں دیتا ہے)

دِلارام۔ (سلیم سے) صاحبِ عالم اِس رقص کا نام بھی انعام کا مُستحق تھا

سلیم۔ (کھڑے ہوکر) ظلِّ الٰہی اس رقص کا نام بھی انعام کا مُستحق ہے

اکبر۔ تم نے درست کہا شیخو۔ انارکلی یہ داد تمہارے لئے ہے

(انارکلی اکبر کے قریب جاتی ہے۔ اکبر اسے بھاری کام کا دوپٹہ انعام میں دیتا ہے۔ انارکلی دو زانو ہو کر شکریہ ادا کرتی ہے)

اور اے فردوس کی بلبل! تیرا نغمہ ہمیں کب تک منتظر رکھے گا ؟

(انارکلی اُلٹے قدموں واپس آتی اور گانے کی تیاری شروع کرتی ہے)

دلارام۔ (مروارید سے آہستہ آواز میں) مروارید جاؤ وہ عرق لے آؤ ۔

انارکلی۔ (گیت شروع کرنے سے پہلے پھر آداب بجا لاتی ہے)

کاہنڑا درباری

شبھ دِن شبھ گھڑی لگن مہورت　　بیٹھے تخت آج دِلی بزپت رے
نو کھنڈ بارہ منڈ گا دست گنین　　اندر جیوں برکھا موتی دان کررہے
اٹل کرسی بنی بیٹھے چھتر دھاری　　ہیرا مونگا چونی پنا موتی لعل زرے
چاروں جگ جیو ہمایوں کے نندن　　شاہوں کی پت شاہ اکبر رے

(گیت ختم کر کے پھر آداب بجا لاتی ہے)

اکبر۔ بے مثل! بے نظیر! گیت کے لفظوں کے لئے تیری آواز ایک شراب ہے۔ مگر اَے جنّتِ ارضی کی حُور! اب کوئی رقص۔ ہم اِس شعلے کو بے قرار دیکھنا چاہتے ہیں ۔

دِلارام۔ (آہستہ سے مروارید سے جو انارکلی کے گیت کے دوران میں عرق کا شیشہ لے کر واپس آگئی ہے) اُدھر انارکلی کی طرف جاؤ۔ اور رقص کے بعد جب وہ تھک کر پانی مانگے تو یہ عرق اُسے پینے کے لئے دو ۔

(انارکلی رقص کی تیاری کر رہی ہے کہ مروارید عرق کا شیشہ رومال میں چھپائے

اس کی ڈالی میں جا کھڑی ہوتی ہے)

سلیم۔ (دلارام کو اشارے سے قریب بلا کر) دلارام فاصلہ بہت ہے ؂

دلارام۔ اِس وقت غنیمت سمجھئے ؂

سلیم۔ لیکن رقص و سرود کے بعد تو ______

دلارام۔ مجھے خیال ہے ؂

سلیم۔ آہ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی (آہ بھر کر) خدایا!

(انارکلی ناچتی ہے ؂

جنگل کی مورنی کا رقص۔ جسے شکاریوں نے گھیر لیا ہے۔ اور جس کا نر افراتفری میں اُس سے بچھڑ گیا ہے۔ جان کے خوف سے بھاگنا چاہتی ہے۔ مگر نر کی محبت کھینچ کھینچ لاتی ہے۔ سہمی ہوئی اپنے مور کو ڈھونڈ رہی ہے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر۔ گردن بڑھا بڑھا کر ہر طرف تکتی ہے۔ مگر کہیں کھوج نہیں پاتی۔ پکارنا چاہتی ہے مگر خوف کے مارے آواز حلق سے باہر نہیں آتی۔ کھڑی کھڑی ہانپ رہی ہے اور کانپ رہی ہے۔ شکاری دمبدم قریب آ رہے ہیں عرصۂ حیات تنگ ہو رہا ہے۔ وحشت بڑھتی جا رہی ہے۔ بے قابو ہو کر دوڑتی اور بیتاب ہو کر لوٹتی ہے۔ کشمکش نے ایک جنون کی صورت اختیار کر لی ہے۔ ذرا دیر میں محبت بے بس کر ڈالتی ہے۔ نر کے بغیر زندگی اندھیر نظر آتی ہے۔ سینہ پھلا کر شکاریوں کی طرف بڑھتی ہے۔ سینے میں تیر لگتا ہے۔ اور محبت کی ماری ہوئی مورنی ڈھیر ہو جاتی ہے ؂

سب مسحور ہو کر یہ رقص دیکھ رہے تھے۔ انارکلی کے گرتے ہی کئی

شہزادیاں اپنی جگہ سے اُچھل پڑیں۔ سلیم گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن ذرا دیر بعد جب انارکلی سر اُٹھا کر کورنش بجا لائی تو رقص کے اس سحر نے داد و تحسین کی صُورت اختیار کر لی)۔

اکبر۔ یہ سحر تُو نے کہاں سے سیکھا؟ اس میں حقیقت کا انکشاف تھا۔ فن کا کمال تھا۔ تیری بے قرار ساق بلوریں جب زمین سے مس کرتی تھی تو فاتح ہند کا قوی دل ایک ستار کے تار کی طرح جھنجھنا اُٹھتا تھا۔ ہاں اور اس کمال پہ اُس کی عنایتِ خسروانہ تیرے دل کو ساکت کئے بغیر نہ رہے گی۔

(ہیروں کی ایک بیش قیمت مالا لے کر ہاتھ بڑھاتا ہے۔ انارکلی قریب جاتی ہے اکبر وُہ مالا خود اُس کے گلے میں ڈال دیتا ہے۔ انارکلی بڑھ کر دامن کو بوسہ دیتی ہے)

دِلارام۔ (سلیم سے سرگوشی میں) صاحب عالم کیا آپ اس رقص کی داد نہ دیں گے؟

سلیم۔ (یک لخت کھڑے ہو کر) ظِلّ الٰہی! اجازت ہو تو اِس رقص کی داد میں بھی دینا چاہتا ہُوں۔

اکبر۔ تُم کو اجازت ہے شیخو۔

(انارکلی سلیم کی طرف آتی ہے۔ سلیم موتیوں کا ایک بیش قیمت کنٹھا اُتار کر اُسے دیتا ہے۔ انارکلی نظریں نیچے رکھ کر لے لیتی ہے)

سلیم۔ یہ تُمہارے کمال کا انعام نہیں اعتراف ہے۔

(انارکلی تسلیم بجا لا کر جاتی ہے)

اکبر۔ اور اب ایک ——

سلیم۔ غزل ظلِّ الٰہی ٭

(انارکلی تعمیلِ ارشاد کی آمادگی میں سر جھکا دیتی ہے)

اکبر۔ شیخو تم نے ہمارے مُنہ سے بات چھین لی ٭

انارکلی۔ پانی ثریّا ٭

مروارید۔ (فوراً شیشہ میں سے عرق نکال کر) یہ لو ٭

(انارکلی عرق پی لیتی ہے۔ دِلارام غور سے اسے تک رہی ہے)

دِلارام۔ (عنبر سے) عنبر! وقت آگیا۔ صاحبِ عالم اوٹ کے خیال سے بے فکر رہیں۔ مگر اُن کا عکس آئینے میں صاف صاف پڑ سکے۔ تُم سب کچھ سمجھ چکی ہو؟

عنبر۔ کچھ فکر نہ کرو ٭

انارکلی۔ (دوسری طرف مروارید سے) مروارید اس میں شراب کی سی کُو تھی۔ یہ عرق کیسا تھا؟

مروارید۔ مفرّح ٭

سلیم۔ (ادھر دلارام سے) دِلارام غزل کے بعد ہم اُٹھ جائیں گے۔ اور اُس وقت اگر تم ———

دِلارام۔ (انارکلی کو تکتے تکتے) انارکلی کو باغ میں ———

سلیم۔ آج تو حرم سرا کے سوا ہر جگہ تنہائی ہے ٭

دِلارام۔ مَیں خود فکر میں ہوں (دلارام انارکلی کی طرف جاتی ہے)

انارکلی۔ (اُدھر ثریّا سے) میرا سر تپ رہا ہے۔ میری رگوں میں یہ کیا دَوڑ رہا ہے!

دِلارام۔ (انارکلی کے قریب پہنچ کر آہستہ سے) صاحبِ عالم تُم سے باغ میں مُلاقات کرنے کو بے تاب ہیں ٭

(انارکلی نشہ کے ہلکے ہلکے اثر میں سلیم کی طرف دیکھ کر مُسکرا پڑتی ہے)

ثریّا۔ آپا اب جا بھی چکو ؛

دِلارام۔ انارکلی کون سی غزل گاؤ گی ؟ (آہستہ سے) اِس وقت توفیضی کی غزل اَے تُرکِ غمزہ زن کہ مقابل نشستہ، بہار دے گی۔ ترکِ غمزہ زن موجود بھی ہے اور مقابل بھی ہے ؛

اکبر۔ ہاں انارکلی !

(انارکلی نشہ میں کھوئی کھوئی سی کھڑی ہے۔ اس کی ماں اور ٹولی کی سب لڑکیاں اس تامّل اور بے پروائی پہ حیران ہیں)

ثریّا۔ آپا سُنا نہیں ظلِ الٰہی یاد فرما رہے ہیں ؛

دِلارام۔ (پھر آہستہ سے) اَے تُرکِ غمزہ زن کہ مقابل نشستہ ؛

ماں۔ بیٹی اب غزل شروع کیوں نہیں کرتی۔ کیا انتظار ہے ؟ (توقف کے بعد) نادرہ!

انارکلی۔ (چونک کر آہستہ سے) جی امّاں !

دِلارام۔ (پھر آہستہ سے) اسے تُرکِ غمزہ زن کہ مقابل نشستہ (دلارام انارکلی کا ہاتھ تھام کر اُسے درمیان میں لے آتی ہے۔ چلتے وقت کان میں کہتی ہے) ترکِ غمزہ زن ہر وقت یوں مقابل بیٹھا نہیں ملتا ؛

انارکلی۔ (غزل شروع کرتی ہے۔ گانے کے دوران میں شراب کا نشہ تیز تر ہوتا جاتا ہے۔ اس کی توجّہ صرف سلیم کی طرف ہے۔ بہت جلد وُہ بھول جاتی ہے۔ کہ میرے اور سلیم کے سوا کوئی اَور بھی محفل میں موجود ہے۔ اکبر آنکھیں بند کیئے نیم دراز ہے۔ انارکلی کا رُخ سلیم کی طرف ہے۔ اس لئے اس کا چہرہ اکبر۔ رانی اور بیگموں سے اوجھل ہے لیکن جو شہزادیاں اور

کنیزیں اُسے دیکھ سکتی ہیں۔ وُہ اُس کے ہزت پر حیران ہیں اور ان کی نظریں بار بار بے اختیار اکبر کی طرف اُٹھتی ہیں)

غزل

اَے تُرکِ غمزہ زن کہ مقابل نشستۂ　　در دیدہ ام خلیدہ و در دِل نشستۂ

(انارکلی تُرکِ غمزہ زن کا اشارہ واضح طور پر سلیم کی طرف کرتی ہے۔ سلیم اتنے واضح اشارے سے گھبرا سا جاتا ہے)

سلیم۔ (کچھ دیر بے چین رہ کر آخر پیچھے دلارام کی طرف دیکھتا ہے) دِلارام!

دِلارام۔ (انارکلی کو تکتے تکتے) صاحبِ عالم!

سلیم۔ انارکلی یہ کیا کر رہی ہے!

دِلارام۔ مَیں خود حیرت میں ہُوں ؂

انارکلی۔ آرام کردۂ بنہاں خانۂ دِلم　　خلقے دریں گماں کہ بہ محفل نشستۂ

(انارکلی نہاں خانۂ دِلم میں اپنی طرف اشارہ کرکے نشستۂ کا مخاطب پھر سلیم کو بناتی ہے سلیم کی گھبراہٹ بڑھ رہی ہے۔ اور وُہ تخت پر بار بار پہلو بدل رہا ہے)

سلیم۔ (نہیں رہا جاتا) دِلارام اسے روکو (پریشان نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہے۔ کہ کوئی اَور تو نہیں دیکھ رہا)

دِلارام۔ (انارکلی کو تکتے تکتے) روک رہی ہُوں۔ مگر وہ دیکھتی نہیں۔ اُس کی نظریں آپ پر گڑی ہوئی ہیں ؂

(سلیم آنکھ کے خفیف اشاروں سے ناخوشی ظاہر کرکے اسے روکنا چاہتا ہے)

انارکلی۔ من خُوں گرفتہ نیستم امروز ورنہ تُو　　خنجر بدست و تیغ حمائل نشستۂ

(انارکلی من کا اشارہ اپنی طرف اور نشستہ کا پھر سلیم کی طرف کرتی ہے)

دلارام - صاحبِ عالم آپ خود روک لیجئے۔ ظلِّ الٰہی دیکھ لیں گے ؎

سلیم - میں اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں روک رہا ہوں۔ لیکن نہ جانے اُسے کیا ہو گیا ہے۔ وُہ کچھ نہیں سمجھتی ؎

دلارام - آپ واضح اشارے سے منع کیجئے۔ میں ظلِّ الٰہی کے پاس جا کر اُن کی توجّہ کسی دُوسری طرف کئے دیتی ہُوں (دلارام عنبر سے سرگوشی کر کے اکبر کی طرف جاتی ہے)

انارکلی - خُوباں شکستہ رنگ خجل ایستادہ اند　　ہر جا تو آفتاب شمائل نشستہ

(انارکلی بے باک ہوتی جا رہی ہے۔ سلیم سراسیمگی کے عالم میں آنکھوں سے سر کی حرکت سے آنکھ کے اشارے سے اُسے روکنے کی کوشش کر رہا ہے ؎

دِلارام تخت پر اکبر کے پیچھے پُہنچ کر اسے انارکلی کی طرف متوجّہ کرتی ہے۔ اکبر سنبھل کر بیٹھ جاتا ہے۔ ایک نظر دِلارام کا چہرہ دیکھتا ہے اور سب کچھ سمجھ کر انارکلی کی جُرأت پر حیران رہ جاتا ہے۔ دِلارام آئینے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اُس میں سلیم اشاروں سے انارکلی کو روکتا ہُوا نظر آتا ہے۔ سازباز کے انکشاف پر اکبر سے نہیں رہا جاتا۔ غیظ و غضب کے عالم میں کھڑا ہو جاتا ہے)

اکبر - ہو!

(اکبر کے کھڑے ہوتے ہی ساری محفل کھڑی ہو گئی۔ اور جشن پر سکوتِ مزار چھا گیا۔ انارکلی چونک کر اکبر کو دیکھتی ہے)

کافُور!

کافور۔ ظلِّ الٰہی!

اکبر۔ اِس بے باک عورت کو لے جاؤ اور زندان میں ڈال دو۔ ❊

(کافور اشارہ کرتا ہے۔ خواجہ سرا بڑھ کر انارکلی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہیں)

انارکلی۔ مہابلی! مہابلی! (وہ جیسے اضطراراً اکبر کی طرف دوڑتی ہے۔ اور تخت کی سیڑھیوں پر سجدہ کرنے کی کوشش میں بے ہوش ہوکر گر پڑتی ہے۔ ثریا دوڑ کر بہن سے چمٹ جاتی ہے)

انارکلی کی ماں۔ (سینہ تھامے ہوئے آگے آتی ہے) ظلِّ الٰہی! خُدا کا واسطہ!

اکبر۔ (دبے ہوئے غصّے سے) خاموش بُڑھیا!

سلیم۔ (اُٹھ کر بے تابانہ اکبر کی طرف جاتا ہے) ظلِّ الٰہی۔ ابّا جان!

اکبر۔ (سلیم کو ہاتھ سے ایک طرف دھکیل دیتا ہے) ننگِ خاندان!

رانی۔ (سلیم کی طرف بڑھنا چاہتی ہے) مہاراج!

اکبر۔ (ہاتھ اُٹھا کر) خبردار!

(رانی اپنی جگہ سہم کر رہ جاتی ہے ❊

دلارام اکبر کے پیچھے کھڑی ساکت نظروں سے جیسے اُفق کو تک رہی ہے)

پردہ

منظرِ اوّل

اگلے روز سہ پہر کو سلیم کا مثمن برُج والا ایوان ٭

سلیم کے عشق کا راز طشت از بام ہو چکا ہے۔ تمام قلعے میں اس کے اور انارکلی کے خُفیہ تعلقات پر چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ اس نے خود صاف الفاظ میں اعترافِ عشق کر دیا ہے۔ صُبح سے اب تک انارکلی کی رہائی کے لئے اکبر کے حضور میں ہر ممکن ذریعے سے منتیں خوشامدیں التجائیں اور سفارشیں بھیجتا رہا ہے۔ لیکن بارگاہِ اکبری میں رانی کے سوا کسی کو باریابی حاصل نہیں ہو سکی۔ اور حسبِ اُمّید وُہ بھی مایُوس چہرہ اور ملُول نگاہیں لے کر واپس آ گئی۔ نا اُمید ہو کر بختیار کو زبردستی داروغۂ زندان کے پاس بھیجا ہے۔ کہ کسی قیمت یا وعدے پر رات میں انارکلی سے ملاقات کی صُورت نکال کر آئے ٭

تفکّرات اور اندیشوں کے باعث صُبح سے اب تک جنُون کی سی کیفیت میں وقت گُذارا ہے۔ نہ مُنہ ہاتھ دھویا ہے نہ خط بنوایا ہے۔ نہ لباس تبدیل کیا ہے۔ نہ صُبح سے اب تک کچھ کھایا ہے۔ مجبور ہو کر متفکّر ماں سمجھانے بجھانے کی غرض سے خود اس کے ایوان میں آئی ہے۔

سلیم اپنی مجبوری اور بے بسی کے احساس سے بھرا ہوا مسند پر بیٹھا ہے۔ رانی پاس بیٹھی اسے منا رہی ہے ؎

رانی۔ سلیم! اپنے ماں باپ سے خفگی! یوں بھی کہیں ہوتا ہے۔ یہ بھی کہیں اولاد کو زیب دیتا ہے ؎

سلیم۔ اولاد پر ظلم ماں باپ کو بھی زیب نہیں دیتا ؎

رانی۔ اولاد پر ظلم! اور پھر تجھ سی اولاد پر؟ کیا کہتا ہے بیٹے۔ تو کیا جانے تیری آرزو میں ماں باپ نے زندگی کے کتنے دن آہیں بنا کر اُڑا ڈالے۔ زندگی کی کتنی راتیں آنسو بنا کر بہا ڈالیں۔ تو نہ تھا تو یہ زندگی شمشان کی طرح سنسان اور اُجاڑ تھی۔ یہ محل خزاں کی رات کی طرح ویران کھڑے تھے۔ اس ہندوستان کا سہاگ بگڑا جا رہا تھا۔ اور میرے لال پھر تو آیا۔ اور زندگی آئی اور بہار آئی۔ میرے چاند ہم ہنس پڑے۔ دنیا ہنس پڑی۔ خود تقدیر ہنس پڑی۔ پھر ماں باپ تجھ پر ظلم کریں گے اس دل سے سلیم؟

سلیم۔ آپ کے نزدیک مجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوا۔ تو میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا ؎

(غصے سے منہ موڑ لیتا ہے)

رانی۔ کیا ظلم؟ کہ انارکلی قید کر لی گئی؟ سلیم کیوں دیوانہ ہوا ہے۔ وہ تیرے قابل ہے؟ اگر تو باپ ہوتا اور بادشاہ۔ اپنی اولاد کے لئے نہ جانے کیا کیا امیدیں اور امنگیں تیرے دل میں ہوتیں۔ اور پھر تیرا بیٹا ایک کنیز کی محبت میں گرفتار ہو جاتا تو تو ہی کچھ نہ کرتا۔ اور جسے ظلم کہہ رہا ہے اسے اولاد کے حق میں محبت نہ سمجھتا؟

سلیم۔ (سامنے تکتے ہوئے) مَیں اولاد کی خوشی کو اپنی مصلحتوں پر ترجیح دیتا
رانی۔ نوجوان ہے۔ ناتجربہ کار ہے۔ باپ بن کر سوچنا نہیں جانتا ۔
سلیم۔ باپ بننا انصاف کی آنکھیں بند نہیں کر سکتا (کھڑا ہو کر مُنہ دوسری طرف کر لیتا ہے)

رانی۔ سلیم۔ ماں باپ کو اپنی زندگی بھر کی آرزوئیں اپنی اولاد کی طرح عزیز رہتی ہیں۔ انہیں نامکمل چھوڑ دینا یُوں معلوم ہوتا ہے جیسے اولاد کو بے آسرے چھوڑ کر گُذر جانا۔ پھر تیرا اپنے ماں باپ کی آرزُوؤں کو پامال کرنا اُنہیں کیسے خوش کرے ؛ انہیں کیسے نہ معلوم ہو۔ کہ ان کی اولاد ہی آپس میں گُذشتہ خون کر رہی ہے ۔

سلیم۔ (جل کر) اگر ماں باپ اپنی اولاد کے لئے اپنی قربانیوں کو بھولنا نہیں جانتے۔ تو اُن کا اپنی اولاد کی آرزُوؤں پر اپنی آرزُوؤں کو مقدّم سمجھنا بے معنی ہے۔ (غُصّے میں ٹہل کر کمرے کے پچھلے حصّے میں چلا جاتا اور مُنہ دوسری طرف کر کے کھڑا ہو جاتا ہے)

رانی۔ آج تُو کیا کچھ کہہ رہا ہے بچّے! اس ننھّے سے دل میں ماں باپ کے لئے اتنا زہر بھر گیا ؛ صرف اس لئے کہ وُہ نہیں چاہتے۔ کہ تُو ایک حرم کی کنیز سے شادی کرے۔ اور دُنیا کی نظروں میں اپنے آپ کو سُبک بنا لے !

سلیم۔ مَیں جانتا ہُوں۔ یہ دنیا کس طرح دیکھنے کی عادی ہے (غُصّے سے مُڑ کر) بابا! دُنیا کی عظیم ترین سلطنت کی لختِ جگر کو میرے پہلو کی زینت بنا دیجئے۔ اور مَیں پھر بھی دُنیا کی یہ سرگوشیاں آپ کے کانوں تک پہنچا دُوں گا۔ اگر

احمق کو دیکھو جس نے سیاست کے پیچھے اپنے آپ کو بیچ ڈالا۔ جائیے فردوس سے میرے لیئے ایک حُور مانگ لائیے۔ پھر بھی میں دُنیا کی نظروں میں یہ طعنے لکھے ہوئے دکھا دوں گا۔ یہ بدنصیب عورت کی دلفریبیوں کو کیا جانے۔ (نفرت سے) دُنیا اور اس کی نظریں! پھر اگر انارکلی کو اپنا بنا لینے پر دُنیا یہ کہے کہ محبت اندھی ہے۔ تو میں دِل کھول کر ہنس سکتا ہوں ؛

رانی۔ (سلیم کے قریب جاکر محبت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے) لیکن سلیم ہم اِسی دُنیا کے خادم ہیں۔ ہمیں جو کچھ بنایا اِسی دُنیا نے بنایا ہے۔ ہندوستان کی باگ ہمارے ہاتھ میں دے کر یہ دُنیا ہمارے ایک ایک فعل کو تاڑ رہی ہے۔ ہم اِس دُنیا سے بے پروا کیسے ہو سکتے ہیں ؟

سلیم۔ اکبرِ اعظم اور دُنیا کے تعلقات پر کوئی دُوسرا فرزند قربان کر دیجیے سلیم کے ہاتھ ہندوستان کی باگ سنبھالنے کے لیئے آزاد نہیں ؛

رانی۔ سلیم تُو جو کچھ کہہ رہا ہے سمجھ نہیں رہا ؛

سلیم۔ مَیں سمجھ رہا ہُوں۔ خُوب سمجھ رہا ہُوں۔ لے لیجیئے۔ مجھ سے سب کچھ لے لیجیئے۔ اِن محلوں کی عشرت۔ ہندوستان کی سلطنت۔ دُنیا کی حکومت خزانوں کی دولت سب کچھ لے لیجیئے۔ اور مجھ کو اور انارکلی کو ایک ویرانے میں تنہا چھوڑ دیجیئے۔ جہاں مَیں صرف اُس کو دیکھوں۔ اُس کو سُنوں۔ مَیں اپنی فردوس میں پہنچ جاؤں گا۔ اور وہاں باپ کے احسان کی یاد میں میری آنکھیں ہمیشہ پُرنم رہیں گی (مُڑکر مسند کے قریب آجاتا ہے)

رانی۔ (وہیں پیچھے کھڑے) اور اگر تیرا باپ یُوں نہ مانے ؟

سلیم۔ (توقف کے بعد) تو اُن سے کہہ دیجئے۔ اگر وُہ بادشاہ ہیں تو مَیں بادشاہ کا بیٹا ہُوں۔ اگر اُن کی رگوں میں مُغلیہ خون دوڑ رہا ہے۔ تو میری رگوں میں راجپوتوں کا لہُو بھی بے تاب ہے۔ اور مَیں جانتا ہُوں تلوار سے کیا کیا کام لیا جاسکتا ہے ۔

(چیں بجبیں سامنے تکتا ہؤا مسند پر بیٹھ جاتا ہے)

رانی۔ (قریب آکر) بچے! سلیم! تجھے کیا ہوگیا۔ تو سلیم ہے نا؟ میرا بیٹا۔ اور یہ تُو بول رہا ہے؟

سلیم۔ (بھرّائی ہوئی آواز میں) سلیم۔ آپ کا بیٹا۔ آپ کا اور اکبرِ اعظم کا بیٹا۔ نامُراد اور رُسوا بیٹا۔ بدبخت شہزادہ! (سلیم کے آنسو نکل آتے ہیں)

رانی۔ (سلیم کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو جاتی ہے۔ قریب بیٹھ کر اسے لپٹا لیتی ہے) میری جان میرا لال! میرا چاند! یہ آنسو۔ یہ ماں کا لہُو۔ مَیں تجھے انارکلی دوں گی۔ تیرے باپ سے لے کر دُوں گی ۔

سلیم۔ امّاں! (ماں سے آنکھیں چار کر کے اس سے لپٹ جاتا ہے)

رانی۔ میرا بچّہ! (اُسے سینے سے لگا لیتی ہے)

سلیم۔ (توقّف کے بعد اشک آلود آنکھوں سے ماں کو تکتے ہُوئے) وُہ مان جائیں گے؟

رانی۔ (سلیم کے آنسو پُونچھتے ہوئے) اُنہیں ماننا ہوگا ۔

سلیم۔ وُہ آپ سے انکار کر چکے ہیں ۔

رانی۔ مَیں نے اُنہیں صرف انارکلی کو چھوڑ دینے کے لئے کہا تھا۔ وُہ سمجھتے تھے وُہ چھُوٹ گئی۔ تو تُو پھر اُس سے ملے گا۔ اب مَیں اُن سے کہُوں گی وُہ

انارکلی کو تیرے لئے چھوڑ دیں ؂

سلیم ۔ (کچھ دیر سوچ میں چُپ چاپ بیٹھا رہتا ہے) اگر وُہ نہ مانے ۔ اُنہوں نے انکار کر دیا ؟

رانی ۔ تو اُنہیں پچھتانا ہوگا ؂

(رانی کھڑی ہو جاتی ہے ۔ ٹھوڑی سے پکڑ کر سلیم کا مُنہ اُوپر کرتی ہے ۔ اور اس کی پیشانی چُوم لیتی ہے ۔ پھر اعتماد انگیز انداز میں اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے ۔ کچھ اُور کہنا چاہتی ہے مگر نہیں کہتی اور رُخصت ہو جاتی ہے ۔ سلیم اپنی سوچ میں بیٹھا رہ جاتا ہے)

سلیم ۔ (سوچتے ہوئے) اُنہیں پچھتانا ہوگا ۔ وُہ پچھتائے بھی تو پھر کیا ہے ۔ اور انکار کر دیا تو کیا نہیں (جیسے درد کے احساس سے آنکھیں بند کر لیتا ہے) آہ اِنکار ! خُداوندا ۔ یہ کس آگ کی سوزش کس شُعلے کی جلن ہے ! (اُٹھ کھڑا ہوتا ہے) اِنکار نہیں ۔ انکار نہیں ۔ کچھ مہیب ہو جائے گا ۔ کچھ بھیانک (دونوں ہاتھوں میں چہرہ چُھپا کر فکر میں غرق ہو جاتا ہے)

(کچھ دیر بعد ثریّا داخل ہوتی ہے)

ثریّا ۔ (بھرّائی ہوئی آواز میں) صاحب عالم ! میری آپا ! (رو پڑتی ہے)

سلیم ۔ (مُڑ کر اس کی طرف دیکھتا ہے) تو ثریّا ! ——— رو رہی ہے ؟

ثریّا ۔ میری آپا کہاں ہیں ۔ میرے شہزادے ۔ میرے بادشاہ ۔ میری باجی کن دیواروں میں بند ہیں ؟

سلیم ۔ (ثریّا کو غور سے تکتے ہوئے) تو بھی اُن دیواروں سے ٹکرائے گی ؟

ثریا۔ میں ان سے اپنا سر پھوڑ لوں گی۔ صاحب عالم مجھے صرف راستہ بتا دیجئے ؎
سلیم۔ (ثریا کو تکے جا رہا ہے) میں خود نہیں جانتا۔ لیکن ایک مدھم آواز میرے کانوں سے دماغ تک شعلوں میں لرز لرز کر مجھے بتا رہی ہے۔ راستہ کون سا ہے ؟

ثریا۔ (سلیم کا منہ تکتے ہوئے) کون سا راستہ ؟
سلیم۔ (سوچ میں سر کی خفیف جنبشِ نفی سے) نہیں بتا سکتا ؎
ثریا۔ (توقف کے بعد سہم کر) وہ مار ڈالی جائیں گی ؟
سلیم۔ (سامنے کہیں دُور گھورتے ہوئے) خدا ہی جانتا ہے ؎
ثریا۔ (بے تاب ہو کر سلیم کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے) آپ انہیں نہ بچائیں گے ؟
سلیم۔ (اسی محویت میں) کون کہہ سکتا ہے ؟
ثریا۔ میرے شہزادے۔ میرے صاحب عالم! اللہ انہیں بچائیے۔ میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں۔ انہیں بچا لیجئے (دوزانو ہو کر سلیم کے قدموں کو چھوتی ہے۔ اور دوزانو بیٹھی بیٹھی کہتی ہے) آپ نے اُن سے کہا تھا۔ انارکلی سلیم کے پہلو سے لوٹی نہیں جا سکتی۔ ناممکن ہے ناممکن۔ آپ نے انہیں کہا تھا۔ تیرے لئے میں چھوڑ سکتا ہوں۔ اس محل کو۔ اس سلطنت کو۔ سب کو۔ آپ نے کہا تھا۔ اگر تو نہ رہی وہ نہ رہے گا۔ آپ نے ستاروں کے سامنے کہا تھا آسمان کے سامنے کہا تھا۔ خدا کے سامنے کہا تھا۔ آپ اپنے لفظوں سے پھر جائیں گے۔ ایک بزدل کی طرح اُن وعدوں سے پھر جائیں گے جو آپ نے ایک کمزور بے بس غریب لڑکی سے کئے تھے۔ اُس لڑکی سے جو

جیسے آپ کی زبان اپنی اور صرف اپنی کہہ چکی ہے ۔

سلیم۔ (مضطرب ہوکر) ثریّا ۔چُپ ہو جا۔ تیری باتیں جہنم کا گرم سانس ہیں (ایک لخت مُڑتا ہے ۔ اور دُور پیچھے جا کھڑا ہوتا ہے)

ثریّا ۔ (اُٹھ کر پیچھے پیچھے جاتی ہے) نہیں آپ اُسے بچائیں گے ۔ آپ مرد ہیں ۔ بات کے دھنی ہیں ۔ آپ اپنا قول پُورا کر کے دکھائیں گے ۔ اُسے قید خانہ کے اندھیرے میں پتّے کی طرح کانپتا نہ ۔کر دو ۔ توڑ دیتے کو نہ چھوڑ دیں گے ۔

سلیم ۔ (بے قراری سے مُڑ کر ثریّا سے پیچھا چھُڑاتے تو پھر سامنے آجاتا ہے) چلی جا ۔ چلی جا ۔ نہیں تو مَیں کچھ ایسا کر بیٹھوں گا کہ فطرت خود ششدر رہ جائے گی ۔

ثریّا ۔ (وہیں پیچھے کھڑے کھڑے) کہہ دیجئے کہ وُہ چھُوٹ جائیں گی ۔ اور پھر مجھے نکال دیجئے ۔ یہاں سے ۔ اپنے محل سے ۔ اِس دُنیا سے ۔ صاحبِ عالم میں ہنستی ہوئی رُخصت ہو جاؤں گی ۔

سلیم ۔ (بغیر ثریّا کی طرف دیکھے) صرف وقت جانتا ہے کیا ہونے والا ہے ۔ جا اور اِنتظار کر ۔

ثریّا ۔ (سر جھکائے رخصت ہوتی ہے ۔ سیڑھیوں پر جا کر رُک جاتی ہے) مَیں اپنی باجی کو دیکھ پاؤں گی ؟

سلیم ۔ (جبیں بہ جبیں اور سامنے گھُورتے ہوئے) او ریا سلیم کو بھی نہ دیکھنے پائے گی ۔

ثریّا ۔ خُدا آپ کو دُنیا کی بادشاہت نصیب کرے !
(رُخصت ہو جاتی ہے)

سلیم ۔ [illegible] ۔ کیسی گہری اور اندھیری گھر بس میں خُون کے چلتے ہُوئے

دھبّے ناچ رہے ہیں - اور اُس پار زرد چہرہ - پھٹی ہوئی آنکھیں اور سلیم سلیم کی فریاد (آنکھیں بند کر لیتا ہے - چہرے پر اذیت کے آثار ہیں) یا رب یہ کیا ہو گیا! کیوں ہو گیا؟ میری انارکلی! میری جان! میری رُوح! تم کہاں ہو؟ (مُڑتا ہے - کنپٹیوں کو ہاتھوں سے دبائے مسند تک جاتا ہے - کچھ دیر وہاں کھڑا رہتا ہے - آخر مسند پر گر پڑتا ہے)

(بختیار داخل ہوتا ہے)

بختیار - سلیم

سلیم - (چونک کر اُٹھتا اور بختیار کی طرف بڑھتا ہے) بختیار کہو - کیا خبر لائے؟ میرے لئے ہر طرف مایوسی ہے - ہر طرف نامرادی ہے - وُہ نہیں مانتے - نہ مانیں گے - اپنے بدبخت شہزادے کی تنہا اُمید تم ہو - بتاؤ تم داروغۂ زندان سے مل لئے؟ وُہ مان گیا؟ (بیتابی سے سر ہلا کر) نہیں مانا - تو بھی کہہ دو وُہ مان گیا - نہیں تو میرا دماغ پھٹ جائے گا - ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

بختیار - (رحم آلود نظروں سے سلیم کو دیکھتے ہوئے) وُہ نہیں انارکلی سے ایک مرتبہ ملا دینے پر آمادہ ہے۔

سلیم - آمادہ؟ سچ ہے یا صرف میرے لئے تسلّی؟ پوچھتے ہوئے دِل ڈرتا ہے - لیکن بختیار تم نے سچ کہا - وُہ آمادہ ہے؟

بختیار - ہاں وُہ آمادہ ہے لیکن بہت بڑے معاوضے پر۔

سلیم - انارکلی کو چھوڑ کر وُہ میرا سب کچھ لے سکتا ہے۔

بختیار - لیکن سلیم میرے دوست - میرے شہزادے - میں پھر کہوں گا - انارکلی کی

گرفتاری معمولی بات ہے۔ وہ چند روز بعد رہا ہو جائے گی۔ تم اُسے بھولنے کی کوشش کرو۔ کیوں ــــــ

سلیم۔ (بے چینی سے مُنہ موڑ کر) کچھ نہ کہو۔ بختیار اس وقت کچھ نہ کہو میں جنُون سے بہت قریب ہُوں (پھر اس کی طرف رُخ کر کے) مجھے صرف بتاؤ کب کس وقت ؟

بختیار۔ (کسی قدر ملول ہو کر) آدھی رات کے بعد ۔

سلیم۔ تنہائی میں ؟

بختیار۔ (سر کی جنبش اثبات کے ساتھ) اگر تم سمجھ سے کام لینے کا وعدہ کرو ۔

سلیم۔ (سوچتے ہوئے مسند کے قریب آتا ہے) سمجھ سے ہیں سمجھ سے کام لُوں گا۔ خوب سمجھ سے (بیٹھ کر توقّف کے بعد) اپنی سمجھ سے ۔

بختیار۔ (آخری الفاظ پُرمعنی انداز میں کہے جانے سے چونکتا اور سلیم کو دیکھتا ہے) اپنی سمجھ سے کیا !

سلیم۔ (آنکھیں تنگ ہوتی جا رہی ہیں) وُہ ایک قاہر بادشاہ کے انصاف کی محتاج نہ رہے گی ۔

بختیار۔ (اندیشہ ناک نظروں سے) تمہارا کیا ارادہ ہے ؟

سلیم۔ اسی رات میں صبا رفتار گھوڑے اُسے کسی ایسے محفوظ مقام پر پہنچا دیں گے۔ جہاں ظلّ الٰہی کا آہنیں قانون نہ پہنچ سکے گا ۔

بختیار۔ (کچھ دیر حیرت سے سلیم کا مُنہ تکتا رہتا ہے۔ اور پھر جلدی سے اُس کے قریب آ کر) سلیم تم دیوانے ہو گئے ہو ؟

سلیم۔ اگر مَیں نے اُسے ظلِّ الٰہی کے رحم پر چھوڑ دیا تو ضرور دیوانہ ہو جاؤں گا۔

بختیار۔ (پریشانی کے عالم میں سلیم کے سامنے بیٹھ کر) لیکن زنداں کے سپاہی؟

سلیم۔ (آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں) اور مغل ولی عہد کی تلوار۔

بختیار۔ (سراسیمہ ہو کر) سلیم یہ بغاوت ہے۔

سلیم۔ (کھڑا ہو جاتا ہے) میں اسی پر آمادہ ہوں۔

بختیار۔ (کھڑے ہو کر حیرانی سے) تم اپنے باپ سے۔ ہندوستان کے شہنشاہ سے باغی ہو جاؤ گے؟

سلیم۔ تمام دُنیا باغی ہے۔ بادشاہ خدا سے۔ تموّل افلاس سے۔ مصلحتیں انصاف سے اور اب جو کچھ باقی ہے وہ بھی باغی ہوگا۔ سب کو باغی ہو جانے دو۔ اور دیکھتے رہو۔ کہ آگ اور خون اور موت اور جنون کے اس دیوانے ہنگامے میں سے دہکتا ہوا کیا نکلتا ہے؟

بختیار۔ تم جانتے نہیں اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

سلیم۔ (خاموش کرنے کو ہاتھ اُٹھا کر) مَیں جاننا نہیں چاہتا۔

بختیار۔ (ذرا دیر بے حد اندیشہ ناک تفکّرات میں غرق رہ کر) کاش مجھے پہلے معلوم ہوتا میری اِس کوشش کا نتیجہ یہ ہوگا۔

سلیم۔ اور معاملات اَوْر بد تر ہو جاتے۔

بختیار۔ (ملامت کے انداز میں) تم نے مجھ سے کہا تھا۔ تم انارکلی سے ایک مرتبہ ملنا۔ صرف اس کو دیکھنا چاہتے ہو۔

سلیم۔ تب اُمید ٹمٹما رہی تھی۔ اب بجھ چکی۔

بختیار۔ (نہیں جانتا کیا کہے۔ بے قراری سے مُڑکر ذرا فاصلے پر جاتا اور گُم سُم کھڑا رہتا ہے) داروغۂ زندان کو شبہ تھا۔ بہت تامّل تھا۔ وہ کسی طرح رضامند نہ ہوتا تھا۔ میرے اصرار اور وعدوں نے۔ معاوضے کے لالچ نے بمشکل اُسے آمادہ کیا۔ لیکن سلیم وُہ ہوشیار رہے گا۔ اکبرِ اعظم کے عذاب کا خوف اُسے چوکنا رکھے گا۔ بہت چوکنا۔ وُہ جیتے جی تُمہیں انارکلی کو نہ لے جانے دے گا ٭

سلیم۔ میرے جیتے جی وہ انارکلی کو رکھنے نہ پائے گا ٭

بختیار۔ (بے بسی کی متوحش نظروں سے اِدھر اُدھر تکتا ہے۔ کُچھ کہنا چاہتا ہے مگر بے سُود سمجھ کر نہیں کہتا۔ دُوسری طرف ٹہل جاتا ہے۔ کُچھ دیر فاصلے پر خاموش کھڑا رہتا ہے۔ آخر نہیں رہا جاتا۔ بے قرار ہوکر مُڑتا اور سلیم کے قریب آتا اور بڑے درد اور خلوص سے کہتا ہے) سلیم۔ تُم تباہ ہو جاؤ گے۔ گرفتار ہوئے تو ذلیل و رُسوا۔ اور فرار ہو گئے تو آوارۂ وطن اور بے نوا ٭

سلیم۔ (ساکت کھڑا جیسے اُفق میں اپنا مستقبل دیکھ رہا تھا۔ بختیار کا خلوص آخر اُسے اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ سلیم کے چہرے پر ایک مُردہ سا تبسّم آجاتا ہے) جو آرہا ہے آنے دو۔ بختیار اُسے نہ تُم روک سکتے ہو۔ اور نہ اکبرِ اعظم۔ ایک طرف موت کے خُون آلُود دانت ہیں۔ اور دُوسری طرف غریب الوطنی کے زہر آلُود کانٹے اور دونوں کے درمیان تقدیر۔ پُر اسرار۔ ششدر اور چپ چاپ۔ کون جانے اس کے ہونٹ پر تبسّم آجائے یا آنکھ میں آنسو۔ لیکن موت بھی انارکلی کے لئے اور اُس کے پہلو میں شیریں ہوگی۔ بختیار! وصال کی طرح شیریں

(آنکھیں بند کر لیتا ہے) مگر میرے دوست آ۔ کچھ مت بول۔ چُپ چاپ میرے سینے سے لگ جا۔ مجھے ڈر ہے میرا دِل اتنا نہ دھڑک اُٹھے کہ تھم جائے۔ مَیں تسکین چاہتا ہُوں ؏

(سلیم ہاتھ پھیلاتا ہے۔ بختیار کچھ دیر گُم سُم کھڑا اُسے تکتا رہتا ہے۔ آخر سلیم کی محبت بے قابُو کر دیتی ہے۔ آنکھیں اشک آلُود ہو جاتی ہیں۔ بڑھ کر دو زانو ہوتا اور سلیم کی ٹانگوں سے لپٹ جاتا ہے۔ سلیم اسے اُٹھا کر سینے سے لگا لیتا ہے) ؏

پردہ

منظرِ دوم

زنداں۔ اُسی روز آدھی رات کو ٭

ایک تہ خانہ جس کی اُونچی اُونچی دیواریں سیل کی وجہ سے شور آلود ہیں۔ چھت کے قریب ایک سلاخ دار روزن ہے۔ جو باہر زمین کی سطح سے اُونچا ہونے کے باعث اس تہ خانے میں ہوا اور روشنی آنے کا اکیلا راستہ ہے۔ سامنے ایک دروازہ ہے جس کے باہر تہ خانے سے دو سیڑھیاں اُونچی ایک مختصر سی ڈیوڑھی ہے۔ تہ خانے کی سیڑھیاں اسی ڈیوڑھی میں آکر ختم ہوتی ہیں۔ دروازے میں سلاخیں لگی ہیں۔ اور باہر کی طرف ایک بھاری قفل پڑا ہے۔ تہ خانے میں سیاہی مائل پتھر کا فرش ہے۔ کونے میں پرال کا ایک ڈھیر ہے۔ جو قیدی کے لئے بستر کا کام دیتا ہے ٭

روشنی کے لئے طاق میں جو چراغ رکھا تھا بجھ چکا ہے۔ تہ خانے میں اندھیرا ہے۔ صرف روزن میں سے باہر کا آسمان اور اُس کے تارے نظر آرہے ہیں۔ یہی روشنی ہے۔ جس کی امداد

سے اگر آواز کی رہنمائی میں غور سے دیکھا جائے تو تہ خانے کے درمیان انارکلی کھڑی ہوئی ایک نسبتاً کم تاریک دھبّے کی طرح نظر آتی ہے۔

جرم کے جشن کی جگمگاہٹ کے بعد آج جب اُس کے دماغ پر سے تیز و تند شراب کا اثر رفتہ رفتہ زائل ہوا۔ تو اُس نے اپنے آپ کو اس تیرہ و تاریک محبس میں پایا۔ وہ روتی رہی۔ چیختی رہی۔ چلاتی رہی۔ لیکن اس کی فریاد کی کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ اُسے کچھ یاد نہیں۔ وہ یہاں کب اور کیونکر لائی گئی۔ اس کے دماغ پر اب تک ایک غبار سا چھایا ہوا ہے۔ اور اُس کے سہمے ہوئے حواس اُسے یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کہ یہ سب کچھ نیند میں گزر رہا ہے۔

انارکلی۔ ٹوٹ جا۔ نیند ٹوٹ جا۔ میں تھک گئی۔ سانس ختم ہو جائیں گے۔ مر جاؤں گی۔ یہیں۔ نیند میں۔ پھر کیا ہوگا! ——— (دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر بے قراری سے سرہلاتی ہے) صاحبِ عالم! مجھے جگا دو۔ یہاں سو رہی ہوں۔ اُس جگہ۔ میرے سینے پر سر رکھ دو۔ میری بھنچی ہوئی مُٹھیاں کھول دو۔ مجھے آواز دو۔ آہستہ سے۔ دل کی دھڑکن میں۔ سانس کی گرمی میں۔ کوئی سُن نہ لے۔ صرف میں سُنوں۔ "میری انارکلی! میری اپنی انارکلی!" میں کہوں "سلیم! سلیم! سلیم!" خواب کی دُنیا میں آوازیں مل جائیں۔ تمہاری گود میں آنکھیں کھول دُوں۔ میں بولوں "صاحبِ عالم! میرے بادشاہ!" تم کہو "انارکلی۔ میری نادرہ!" اور پھر دونوں مُسکرا پڑیں۔ میں تمہیں یہ بھیانک خواب سُناؤں۔ تم مجھے اپنی آغوش میں لے لو اور قہقہہ لگاؤ۔ تم سے لپٹ جاؤں۔ اور میں بھی قہقہہ لگاؤں۔ اور پھر اکٹھے کوئی سُہانا خواب دیکھنے لگیں۔ محبت کا۔ روشنی کا۔ مہکتا ہوا۔ جگمگاتا ہوا ———

(چونک کر سہم جاتی ہے۔ تہ خانے کا اوپر کا دروازہ کھلنے کی آواز آتی ہے)

کون!۔۔۔۔۔ اماں۔ میری اماں! اماں میری اماں! (دوڑ کر دروازے کی طرف جاتی اور اُسے دھکیلتی ہے) راستہ نہیں۔ اماں میری اماں! راستہ نہیں!

(سہم کر سُکڑی ہوئی کھڑی ہے کسی کے سیڑھیوں پر سے اُترنے کی آواز آتی ہے۔ خطرے کے احساس سے سراسیمہ ہو کر کبھی چھُپنے کے لیئے کونوں کی طرف بڑھنا چاہتی ہے کبھی بھاگ جانے کو پھر دروازے کی طرف رُخ کرتی ہے۔ ایسی متوحش ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا کرے۔ مُنہ سے ایک مدھم سا کانپتا ہوا شور نکل رہا ہے۔ آخر چکر کھا کر گر پڑتی اور بے ہوش ہو جاتی ہے۔

ڈیوڑھی میں روشنی اور سائے نظر آتے ہیں۔ ذرا سی دیر بعد سلیم اور اس کے پیچھے پیچھے داروغۂ زنداں داخل ہوتا ہے۔ سلیم نے فرغل پہن رکھی ہے داروغۂ زنداں نے روشنی کے لئے ایک دوشاخہ اُٹھا رکھا ہے۔ اس کی مدھم روشنی میں اس دُبلے پتلے سیاہ فام شخص کی کھچڑی داڑھی۔ عقاب نما ناک اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں خوف ناک معلوم ہوتی ہیں۔ داروغۂ زنداں دوشاخہ کو ایک طاق میں رکھ دیتا ہے)

سلیم۔ (مُڑ کر) تم باہر ٹھہرو۔

داروغہ۔ (تامّل سے) میں نے اس کا وعدہ نہ کیا تھا۔

سلیم۔ میں نے تنہا ملاقات کرنے کی قیمت ادا کی ہے۔

داروغہ تنہائی میں ملاقات اَن مول ہے۔

سلیم۔ ملاقات یُوں ہی ہوگی۔ تمہیں قیمت سوچنے کی پھر اجازت ہے ۔

داروغہ۔ یہ میری موت اور زندگی اور میرے خاندان کی راحت و رُسوائی کا سوال ہے ۔

سلیم۔ (رُکھائی سے) مَیں سمجھ سے کام لُوں گا ۔

داروغہ۔ (تامّل سے) مجھے بہت شُبہ ہے ۔

سلیم۔ (کڑک کر) کمینے تُو سمجھتا ہے مُجھے پیاسا لَوٹا دے گا۔ تڑستا پھر دے گا ۔

داروغہ۔ مَیں بے بس ہُوں ۔

سلیم۔ مَیں ولی عہد ہوں۔ اور تمہاری اِس بدمعاشی کی داستان شہنشاہ کے کانوں تک پُہنچانے کے بہت سے ذریعے ابھی تک رکھتا ہُوں ۔

داروغہ۔ (مرعوب ہوکر) صاحب عالم!

سلیم۔ (حقارت سے) باہر جا!

داروغہ۔ (جاتے جاتے) لیکن صاحب عالم مُجھے معلوم ہے۔ انارکلی کے متعلق اپنے فرائض کی کوتاہی سے زیادہ کسی داستان کا ظلِّ الٰہی کے کانوں تک پہنچنا خطرناک نہیں ۔

سلیم۔ (اَن سُنی کرکے) اُس وقت لَوٹ جب مَیں پکاروں ۔

داروغہ۔ (ڈیوڑھی میں سے) میں اس وقت لَوٹوں گا جب فرض مُجھے پکارے گا ۔

(داروغہ تہ خانہ کی سیڑھیوں کی طرف مُڑ جاتا ہے)

سلیم۔ (غصّے سے) کمینہ بدمعاش! (مُڑکر اِدھر اُدھر انارکلی کو دیکھتا ہے) انارکلی! انارکلی! تم کہاں ہو؟ (آگے بڑھتا ہے۔ انارکلی سے ٹھوکر لگتی ہے) خُداوندا۔

زمین پر ! (جلدی سے بیٹھ جاتا ہے) زندہ ہونا ؟ (ہلاکر) انارکلی ! انارکلی !
(اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیتا ہے) انارکلی بولو ! آنکھیں کھولو۔ ہوش میں آؤ۔
انارکلی !

انارکلی۔ (بولتی ہے۔ مگر آنکھیں بند ہیں) صاحب عالم —— صاحب عالم —— یہ
تم ہی ہو ؟ —— میں نے پہچان لیا —— تمہاری آواز سن رہی ہوں
پکارو —— اور زور سے —— جھنجھوڑو !

سلیم۔ انارکلی۔ میری جان جاگو۔ دیکھو تمہیں سلیم جگا رہا ہے۔ تمہارا سلیم !

انارکلی۔ (نیم وا آنکھوں سے) میں جانتی تھی —— تم مجھے جگاؤ گے —— اس گرم
نیند سے —— اپنی ٹھنڈی گود —— اپنے شاہی محل میں جگاؤ گے
—— کیسی پیاری بات ! —— پر اب تک تم کہاں تھے ؟
میں اس تپتی اور جھلستی ہوئی نیند میں —— روتی رہی —— چیختی
رہی —— تمہیں پکارتی رہی ؟

سلیم۔ (ہلاکر) انارکلی اب تک بے ہوش ہو۔ جاگو۔ میری روح جاگو !

انارکلی۔ جاگ گئی۔ تم سے بول نہیں رہی۔ تمہاری آواز سن نہیں رہی ؟ میرے ہوش
حواس تو تم ہو۔ تمہارے ہوتے میں کیوں بے ہوش ہونے لگی ؟

سلیم۔ (پریشانی سے اسے تکتے ہوئے) انارکلی تم دیوانی ہو گئی ہو ؟

انارکلی۔ (بیٹھ جاتی ہے) تم سے کس نے کہا ؟ ظلم کی اُن کلوں نے جو میرے رونے
پر ہنستے تھے۔ کھلکھلاتے تھے۔ قہقہے مارتے تھے۔ درندے ! (اُنگلی
ہونٹوں پر رکھ کر) چپ چپ۔ دیکھو سنو ! ویران نیند میں سے اُن کے قہقہوں

کی گونج آ رہی ہے۔ (سہم کر سلیم سے چمٹ جاتی ہے) میرے پاس سے نہ جانا۔
صاحب عالم نہ جانا! وہ مجھے جیتا نہ چھوڑیں گے۔ مار ڈالیں گے۔ مار ڈالیں گے
چھری بھونک کر۔ گلا گھونٹ کر۔ گھور کر۔ صرف کھلکھلا کر!

سلیم۔ (سراسیمگی سے) انارکلی خدا کے لئے ہوش میں آؤ۔ محبت کا واسطہ ہوش میں
آؤ۔ میرے دماغ کے تار بہت تن چکے ہیں ۔

انارکلی۔ (سلیم کا منہ تکتے ہوئے) میں کیا کروں۔ کچھ کہو تو۔ تم صرف حکم دو۔ کنیز
مانے گی ۔

سلیم۔ (مضطرب ہو کر ادھر ادھر دیکھتا ہے کہ کیا کرے۔ پھر بے بسی کے عالم میں انارکلی کا منہ تکنے
لگتا ہے) انارکلی یاد کرو۔ کیا ہوا تھا۔ میرے ساتھ مل کر یاد کرو۔ کیا ہوا تھا۔
جہاں مجھ کو چھوڑا تھا وہیں سے مجھ کو ساتھ لو ۔

انارکلی۔ کہاں سے؟

سلیم۔ (ہاتھ اس کے گرد ڈال کر) تمہیں جشن کی رات یاد ہے؟

انارکلی۔ (سوچتے ہوئے) جشن کی رات؟ ——— ہاں ہاں۔ وہاں تم تھے
میری عمر بھر کی آرزو روشنیوں اور خوشبوؤں میں سلیم بن کر بیٹھی ہوئی تھی
اور میں تھی ——— بس تم تھے اور میں تھی ——— میں تھی اور تم
تھے ——— میں گا رہی تھی تم مسکرا رہے تھے ...... میں ناچ رہی تھی
تم جھوم رہے تھے۔ اور جنت زمین پر اتر آئی تھی ——— کاش میں اسی
جنت میں گیت اور ناچ بن کر رہ جاتی ۔

سلیم۔ ہاں ہاں اور پھر؟

انار کلی - اور پھر ؟ ہاں جیسے جہنم کا سب سے گہرا اور اندھیرا غار پھٹ پڑا - کالے
اور اندھیرے دھوئیں نے ہمیں ایک دوسرے سے کھو دیا - اور شعلوں کی
پتلی پتلی - لمبی لمبی اور بے قرار زبانیں لپک پڑیں - میرا دم گھٹ کر
رہ گیا - اور ——

سلیم - اور تمہیں نہیں معلوم یہ کیا ہوا تھا ؟

انار کلی - (سلیم کو تکتے ہوئے) تم بتاؤ ؟

سلیم - ظلِّ الٰہی نے ہم دونوں کو محبت کے اشارے کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا - یاد
نہیں ان کی وہ گرج ، ہو !

انار کلی - (سوچتے ہوئے) یاد آگیا - آ گیا - آسمان پھٹ پڑا تھا - پناہ ! پناہ !

سلیم - اور پھر وہ حبشی غلام - اُن کا تم کو گرفتار کرنا ۔

(انار کلی سکڑ کر سلیم کے ساتھ لگ جاتی ہے)

اور پھر وہ تمہیں یہاں قید خانہ میں ڈال گئے ۔

انار کلی - قید خانے میں ؟ (اِدھر اُدھر دیکھ کر) ہم کہاں ہیں ؟ قید خانے میں ——
مجھے یاد آگیا (پیشانی پر ہاتھ رکھ لیتی ہے) میرے دماغ پر کیا آ گیا تھا - یوں ہی
ہے - سب کو معلوم ہو چکا - یوں ہی ہونا تھا - مَیں قید ہوں - میری اماں -
میری ثریا - مَیں قید ہوں (سر جھکا لیتی ہے) تم بھی قید ہو صاحبِ عالم !

سلیم - (دروازے پر ایک نظر ڈال کر کھڑا ہو جاتا اور اپنے ساتھ انار کلی کو بھی کھڑا کر لیتا ہے)
میں تمہیں لے جانے کو آیا ہوں ۔

انار کلی - ظلِّ الٰہی مان گئے - مجھے تم کو دے ڈالا ؟

سلیم۔ نہیں۔ میں اُن کی چوری سے تمہیں بھگالے جانے کو آیا ہوں ؂

انارکلی۔ بھگالے جانے کو ؟

سلیم۔ وُہ تمہیں مار ڈالیں گے ؂

انارکلی۔ مار ڈالیں گے (سوچتے ہوئے) اور پھر نعش رہ جائے گی (لجاجت سے) نہیں نہیں میری جان کیوں لیتے ہیں۔ میں نے کیا کیا ہے؟ میں تمہیں چاہتی ہوں۔ اِس لئے؟ اور تو کچھ نہیں چاہتی۔ مجھے چاہنے دیں۔ میں چاہتی رہوں گی۔ صرف چاہتی رہوں گی۔ اور چاہتی چاہتی آپ ہی مرجاؤں گی ؂

سلیم۔ (جوش سے) یہ ناممکن ہے۔ تم میرے ساتھ بھاگ کر جاؤ گی ؂

انارکلی۔ کہاں ؟

سلیم۔ جہاں ظلِّ الٰہی کی شعلہ بار نظریں نہیں پہنچ سکتیں۔ جہاں اُن کی پیشانی کی شِکنوں کا سایہ نہیں پڑ سکتا۔ جہاں محبت آزادی کے سانس لیتی ہے۔ محبّت ہنستی ہے۔ محبّت کھیلتی ہے ؂

انارکلی۔ (سوچتے ہوئے) ایسی جگہ! ایسی جگہ!

سلیم۔ (جذبات سے بے تاب ہو کر انارکلی کو بازوؤں میں لے لیتا ہے) تو میرے دِل کے سنگھاسن پر بیٹھ کر حکومت کرے گی۔ تو میری دُنیا کی ملکہ ہو گی۔ اور میں تیری دُنیا کا غلام! اور وہاں رنگین جھاڑیوں کی معطّر ٹھنڈک میں جہاں کلیاں لجا کر رہی جا رہی ہوں گی۔ اور چاند محبّت کی سوچ میں چُپ چاپ تھم گیا ہو گا۔ مفرور عاشق۔ تھکے ہوئے چاہنے والے آرام کریں گے۔ تو میرے زانو پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر کے لیٹے گی۔ اور صرف میرے سانس

میں محبت کو سُنے گی۔ اور جب تُو مسکرا کر آنکھیں کھول دے گی تو چاند ہنستا ہُوا چل دے گا۔ کلیاں کھِلکھلا کر ہم پر گرنے لگیں گی۔ اور پھُولوں کے نرم اور معطر ڈھیر کے نیچے دو دھڑکتے ہوئے دِل دب جائیں گے ۔

انارکلی۔ (بیتابی سے) چلو اُدھر کو چلو۔ وہاں کا کون سا راستہ ہے ؟

سلیم۔ (بغل میں سے تلوار نکال کر) ڈر یہاں ہے ۔

انارکلی۔ (ڈر جاتی ہے) تلوار! خودکشی ؟ دُوسری دُنیا میں۔ یہاں نہیں ؟

سلیم۔ یہاں یا وہاں ۔

انارکلی۔ (گھبرا کر) وُہ تمہیں پکڑ لیں گے۔ مجھے تُم سے چھین لیں گے۔ محبت بچھڑ جائے گی۔ پھر کیا ہوگا ؟

سلیم۔ تقدیر ہی جانتی ہے ۔

انارکلی۔ (سلیم کے ساتھ لگ کر) یُوں نہ کرو۔ یُوں نہ کرو۔ تم کسی مُصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ مَیں کیا کروں گی ؟ یُوں نہیں۔ یُوں نہیں۔ اس میں خطرہ ہے۔ نہ جانے کیا ہے ؟

سلیم۔ ہم اکٹھے مرنے کو بھی تیار رہیں ——— تیار ہیں انارکلی ؟

انارکلی۔ (کچھ دیر سلیم کا منہ تکتی رہتی ہے) ہاں تیار ہیں ۔

سلیم۔ تو آؤ میرے بازوؤں میں آؤ۔ مَیں تُمہیں اِس زنداں اور قلعے میں سے خُون کی کیچڑ میں سے گُذار لے جاؤں گا۔ باہر برق رفتار گھوڑے ہمارے منتظر ہیں۔ اور باقی تقدیر جانتی ہے ۔

(سلیم بازو کھول دیتا ہے۔ انارکلی اس سے لپٹ جاتی ہے۔ وُہ دائیں ہاتھ

میں تلوار لئے اور بایاں ہاتھ انارکلی کے گرد ڈالے درانہ ڈیوڑھی کی طرف
بڑھتا ہے۔یک لخت سیڑھیوں پر سے کسی کے اُترنے کی آواز آتی ہے)

داروغہ۔ (ہانپتا کانپتا ڈیوڑھی میں داخل ہوتا ہے۔ اس قدر خوف زدہ اور سراسیمہ معلوم ہوتا
ہے کہ بات نہیں کرسکتا) صاحب عالم! صاحب عالم!

سلیم۔ تُو آگیا کمینے۔ انارکلی کو مجھ سے چھیننے؟

داروغہ۔ (بے انتہا پریشانی کے عالم میں) نہیں نہیں اَور بات ہے ٭

سلیم۔ کیا ہے؟

داروغہ۔ مَیں اور آپ دونوں خطرے میں ہیں ٭

سلیم۔ کیسے؟

داروغہ۔ ظلِ الٰہی اِدھر آرہے ہیں ٭

(انارکلی آنکھیں پھاڑے داروغہ کو تک رہی تھی۔ ظلِ الٰہی کا نام سُنتے ہی ایک
آہ بھر کر بے ہوش ہو جاتی ہے۔ سلیم کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے۔ دُوسرے
ہاتھ سے اُس نے بے ہوش انارکلی کو سنبھال رکھا ہے)

سلیم۔ (گھبرا کر) ظلِ الٰہی! کون کہتا ہے؟

داروغہ۔ چوکی دار خبر لایا ہے ٭

سلیم۔ کیوں آئے؟ (سوچ میں پڑ جاتا ہے) انارکلی کی جان لینے کو؟

داروغہ۔ نہیں قیدیوں کے معائنے کے لئے ٭

سلیم۔ جھُوٹ! رات کو معائنہ؟ وُہ جان لینے کو آئے ہیں۔ مار ڈالنے کو ٭

داروغہ۔ اِس وقت سزا نہیں ہو سکتی ٭

سلیم۔ (تن کر کھڑا ہو جاتا ہے) اُنہیں آنے دو۔ جو ہو سو ہو ؟

داروغہ۔ (دوزانو ہو کر اور ہاتھ جوڑ کر) مجھے بچا لیجے۔ صاحبِ عالم لِلّٰہ چلے جائیے۔ اُنہوں نے آپ کو یہاں دیکھ لیا۔ تو مَیں سزا پاؤں گا۔ مار ڈالا جاؤں گا۔ میرے بچے دُنیا میں لاوارث رہ جائیں گے۔ ہم سب برباد ہو جائیں گے۔ (پیروں کو ہاتھ لگا کر) چلے جائیے لِلّٰہ چلے جائیے ؟

سلیم۔ اور انارکلی کو تُم خونی بھیڑیوں کے رحم پر چھوڑ جاؤں ؟

داروغہ۔ اِس کا بال بھی بیکا نہ ہونے پائے گا ؟

سلیم۔ مجھے اعتبار نہیں ؟

داروغہ۔ (سلیم کے قدموں میں سر رکھ کر) رات کو سزا نہیں ہو سکتی ؟

سلیم۔ (متفکر نظروں سے) میرا اطمینان نہیں ہو سکتا ؟

داروغہ۔ مَیں خُدا اور اُس کے رسُولؐ کے سامنے کہتا ہُوں۔ رات کو سزا نہیں ہو سکتی ؟

سلیم۔ (تذبذب کی پریشانی میں اس کا مُنہ تکتے ہوئے) آج رات کے بعد مجھے یہاں آنے کا موقع نہیں مِل سکتا ؟

داروغہ۔ (سینے پر ہاتھ رکھ کر) مَیں موقع دوں گا ؟

سلیم۔ (اُسے شبہ کی نظروں سے تکتے ہوئے) کب ؟

داروغہ۔ (کھڑے ہو کر) آج ہی رات میں ؟

سلیم۔ (سر کی جُنبشِ نفی سے) تیری زبان بدل سکتی ہے ؟

داروغہ۔ میری بدمعاملگی کی داستان ظلِّ الٰہی تک پہنچ سکتی ہے ؟

سلیم۔ (پس و پیش کے عالم میں) میری نظروں میں بُرے بُرے شگُون پھرتے ہیں ؟

داروغہ۔ (مضطرب ہوکر ڈیوڑھی میں جاتا اور لوٹ کر آتا ہے) صاحب عالم! جلدی کیجئے آپ کو یہاں رہنا ہے تو مجھے جان بچا کر بھاگ جانے دیجئے۔ ظلِ الٰہی یہاں آئیں۔ تو صرف آپ کو اور انارکلی کو پائیں (مایوسی سے سر ہلا کر) لیکن پھر بھی مَیں پھر بھی برباد ہو جاؤں گا۔ مَیں کیسے اپنے بے خبر بال بچوں کو ساتھ لے کر بھاگ سکوں گا (سر پیٹ کر) میری غریب بیوی! معصوم بچو! تمہیں کیا معلوم۔ تم صبح کو آنکھ کھولوگے تو کیا خبر سنو گے۔ مَیں لُٹ گیا۔ میرے اللہ۔ میرے شہزادے۔ مَیں لُٹ گیا (زمین پر بیٹھ کر رونے لگتا ہے)

سلیم۔ تُو سچ کہتا ہے۔ مجھے پچھتانا نہ ہوگا؟

داروغہ۔ (کھڑے ہو کر آنسو پونچھتے ہوئے) مجھے اس وقت بچا لیجے۔ مَیں آپ کی مدد کردوں گا۔

سلیم۔ کیسے؟

داروغہ۔ آپ اُوپر میرے حُجرے میں ٹھہریئے۔ ظلِ الٰہی کے رخصت ہو جانے کے بعد مَیں دروازہ کھُلا چھوڑ کر اُن کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ آپ نیچے آئیے گا۔ اور انارکلی کو اُٹھا لے جائیے گا۔ ظلِ الٰہی اسے میری بھول کا نتیجہ سمجھیں گے۔ آپ انارکلی کو بچالیں گے۔ میرا قصور بھی تھوڑی سی سزا پر ٹل جائے گا۔

سلیم۔ (توقف کے بعد) تُو جو کہہ رہا ہے۔ یہی کرے گا؟

داروغہ۔ (سر جھکا کر) مگر مَیں غریب اہل و عیال والا ہوں۔ تنخواہ . . .

سلیم۔ (بات کاٹ کر) تُو کسی چیز کا مُحتاج نہ رہے گا۔

(کسی کے سیڑھیوں پر سے اُترنے کی آواز آتی ہے۔ داروغہ لپک کر ڈیوڑھی
میں جاتا ہے)

سپاہی۔ (سیڑھیوں ہی میں سے) داروغہ صاحب! ظلِّ الٰہی آپہنچے (واپس جاتا ہے)

سلیم۔ (گھبرا کر) تُو اپنے لفظوں پر قائم رہے گا؟

داروغہ۔ (جلدی سے اندر آکر) خدا اور اُس کا رسُولؐ شاہد ہیں۔

سلیم۔ میں کہاں جاؤں؟

داروغہ۔ (ڈیوڑھی میں جاتے ہوئے) میرے ساتھ آئیے۔

سلیم۔ (انارکلی کو فرش پر لٹا کر) میری راحت۔ میری ٹھنڈک۔ یہاں آرام کر۔ خُدا
اور اُس کے فرشتے تیرے محافظ ہوں۔

(آگے آگے داروغہ اور پیچھے پیچھے سلیم جاتا ہے۔ سیڑھیوں پر سے اُن کے
قدموں کی آواز غائب ہونے کے تھوڑی دیر بعد انارکلی ہوش میں آتی ہے)

انارکلی (لیٹے لیٹے) صاحبِ عالم ہم پہنچ گئے؟ —— کہاں ہیں؟ —— اندھیرا
کیوں ہے؟ —— چاند کہاں گیا؟ —— یہاں تو نہ کوئلوں کی کُوک ہے
نہ پھُولوں کی خوشبو —— تُمہارا دِل کہاں دھڑک رہا ہے؟ ——
کہو تو؟ —— بولو نا؟ چُپ کیوں ہو؟ (بیٹھ کر) ہائے زنداں ہے۔
وُہی جہنم اور تم نہیں۔ اور میرے سلیم تُم نہیں آجاؤ یہیں جنت بن جائے گی۔
بس تُم آجاؤ۔ اَور کہیں نہ جائیں گے۔ یہیں گلے میں باہیں ڈال کر آنکھوں
میں آنکھیں ڈال کر دم توڑ دیں گے۔ آجاؤ تمہاری انارکلی تُمہیں دیکھے

بغیر نہ گُذر جائے ۔

(سیڑھیوں پر سے پھر کسی کے اُترنے کی آواز آتی ہے ۔ انارکلی خوف کے مارے کھڑی ہو کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کی طرف تکتی ہے ۔

داروغۂ زندان آتا ہے اور کواڑ بند کر کے ایک قہقہہ لگاتا ہے)

انارکلی ۔ (ڈرتے ڈرتے) صاحبِ عالم کہاں ہیں ؟

(داروغہ کچھ جواب نہیں دیتا ۔ ایک اَور قہقہہ لگاتا ہے ۔ اور سیڑھیاں چڑھ جاتا ہے)

انارکلی ۔ (دوڑتی ہے اور دروازے پر جا کر دیوانہ وار اسے دھکیلنے کی کوشش کرتی ہے ۔ روتے ہوئے) صاحبِ عالم ! صاحبِ عالم ! (چلّا کر) شہزادے ! شہزادے ! (ہانپتے ہوئے) سلیم سلیم ! (بے دم ہو کر) میری امّاں ! میری امّاں !

(بے ہوش ہو کر دروازے کے سامنے اَوندھی گر پڑتی ہے)

پردہ

منظر سوم

اکبر کی خواب گاہ۔ اسی رات میں اور تقریباً اسی وقت ؎

ایک مختصر مگر تکلف سے آراستہ حجرہ جس کی چھت ماہی پشت انداز کی ہے۔ دیواروں کا بیشتر حصّہ قرمزی مخمل کے بھاری بھاری پردوں سے جن پر سیاہ ریشم سے بڑے بڑے نقش بنے ہیں چھپا ہوا ہے۔ صرف سامنے کی دیوار کے درمیانی حصّے پر سے پردے سرکے ہوئے ہیں۔ جہاں ایک خوش وضع جالی دار محراب ہے۔ محراب کے جھروکے میں سے نیلے آسمان پر چند تارے ٹمٹماتے نظر آ رہے ہیں ؎

ایرانی قالینوں کے فرش پر دائیں کونے میں سونے کے بھاری بھاری جڑاؤ پایوں کا ایک پلنگ بچھا ہے۔ جس پر تانبے کے رنگ کا پلنگ پوش پڑا ہے۔ سرہانے ایک ہشت پہلو میز پر تلوار اور دو دشالہ رکھا ہے۔ بائیں طرف ایک بیش قیمت تخت پر زری کے کام کی مسند بچھی ہے۔ اور اس پر تکیے رکھے ہیں۔ دائیں بائیں دیوار کے ساتھ نیچی چوکیوں پر زرّیں پھولدانوں میں رتن مالا اور کرن پھول کی رنگینیوں میں سے پاڈل۔ نواری اور نرگس کے پھول اُبھر اُبھر کر

عطر بیز ہیں ؂

کمرے کے درمیان میں اکبر ایک کشمیری فرغل پہنے ہاتھ ایک ہشت پہلو میز پر ٹکائے کھڑا سامنے گھور رہا ہے۔ پیچھے تخت پر رانی بیٹھی ہے ؂

رانی۔ مہاراج رحم کیجئے۔ پہلے میری التجا تھی اس کو چھوڑ دیجئے۔ اب میری فرمائش ہے۔ انارکلی کو سلیم کے لئے چھوڑ دیجئے ؂

اکبر۔ انارکلی کو سلیم کے لئے؟ یہ تُم کہہ رہی ہو رانی؟

رانی۔ سب کچھ سوچ کر۔ سب کچھ سمجھ کر۔ سب پہلوؤں پر غور کر کے ـــــ

اکبر۔ تمہارا مشورہ ہے۔ کہ مَیں اپنی زندگی کے تمام خواب چکنا چُور کر ڈالوں۔ وُہ خواب جو میرے دِنوں کا پسینہ۔ میری راتوں کی نیند۔ میری رگوں کا لہُو۔ میری ہڈیوں کا مغز ہیں۔ تمہارا مشورہ ہے کہ مَیں ان سب کو چکنا چُور کر ڈالُوں ؂

رانی۔ (کچھ کہنا چاہتی ہے۔ مگر نہیں کہتی۔ سر جُھکا لیتی ہے) اولاد کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جاتا ؂

اکبر۔ (دبے ہوئے جوش سے) کیا کچھ نہ کیا گیا ؂

رانی۔ (سر جُھکائے ہوئے) پھر اب بھی ہم کیوں نہ ماں اور باپ کا حق ادا کریں ؂

اکبر۔ اور اس سے کب تک اولاد کے فرض کی اُمیّد نہ رکھیں؟

رانی۔ (سر اُٹھا کر) کیوں اُمید رکھیں؟ ہم ہی تو تھے جو اولاد کی آرزو میں سائے کی طرح اُداس پھرتے تھے۔ ہم ہی تو تھے جو اولاد پا کر دونوں جہان

حاصل کر بیٹھے تھے۔ اور ہمارے ہی لئے تو اُس کا ایک تبسّم زندگی کے تمام زخموں پر مرہم تھا۔ ہم تو صرف اس لئے اُس کی تمنّا کرتے تھے۔ کہ اُس سے ہمارا ویران دِل آباد ہو۔ اور ہم اپنی موت کے بعد بھی اُس میں زندہ رہ سکیں۔ پھر اس سے توقع کیسی ؟

اکبر۔ تم ماں ہو صرف ماں ؛

رانی۔ (جل کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ ضبط کی کوشش کرتی ہے۔ مگر نہیں رہا جاتا۔ پھٹ پڑتی ہے) مَیں خوش ہُوں کہ مَیں صرف ماں ہُوں۔ اور مُجھ کو رنج ہے۔ کہ آپ شہنشاہ ہیں صِرف شہنشاہ ؛

اکبر۔ (مُنہ موڑتے ہُوئے) ہم اسے محبّت کی غیرضروری نرمی سے بگاڑنا نہیں چاہتے ؛

رانی۔ (بِگڑ کر) سختی ایک نوجوان اور جوشیلی طبیعت کو سنْوار نہیں سکتی ؛

اکبر۔ (سر ہلاتا ہؤا میز کے دُوسری طرف چلا جاتا ہے) لیکن اُسے سنْورنا ہی ہو گا۔ سنْورے بغیر اس کا قدم ہندوستان کے تخت کو نہیں چُھو سکتا ؛

رانی۔ وُہ آپ کے ہندوستان کے تخت کو جہنّم سمجھتا ہے۔ جہاں انارکلی ہو۔ وُہ جگہ اُس کی جنّت ہے ؛

اکبر۔ (مُڑ کر رانی کو دیکھتا ہے) یہاں تک ؟

رانی۔ اُس کی رگوں میں خون جوانی کے گیت گا رہا ہے۔ اور جوانی کی نظروں میں ہندوستان ایک عورت سے زیادہ قیمت نہیں رکھتا ؛

اکبر۔ (رانی کو تکتے ہوئے) ہندوستان ایک عورت سے سَستا ہے ؟

رانی۔ وُہ یہی کہتا ہے ؛

اکبر۔ خود سلیم ؟

رانی۔ خود سلیم ۔

اکبر۔ (سامنے مڑکر ہاتھ پیشانی پر رکھ لیتا ہے) آہ میرے خواب! وُہ ایک عورت کے عشووں سے بھی ارزاں تھے! ـــــ فاتح ہند کی قسمت میں ایک کنیز سے شکست کھانا لکھا تھا ۔

رانی۔ (سر جھکا کر خاموش ہو جاتی ہے۔ ذرا دیر بعد سر اُٹھا کر) جو ہو چکا بدل نہیں سکتا۔ جو آنے والا ہے اُسے سدھاریئے ۔

اکبر۔ (مایوسی کے قلق اور غصے سے) اَور کیا آئے گا؟ میرے دل کو اُجاڑ دینے کے بعد وُہ میرے جسم کو بھی ویران کر ڈالنے کا آرزومند ہے؟

رانی۔ کیا کہتے ہیں مہاراج! یہ سوچنے سے پہلے وُہ اپنی جان گنوا ڈالے گا ۔

اکبر۔ (غم سے سر جھکا کر) اس کے وہی معنی ہیں۔ ہم۔ ہماری آرزوئیں۔ ہماری راحت ہماری زیست۔ سب اُس کے لئے بے معنی لفظ ہیں۔ اُس کا سب کچھ انارکلی ہے۔ اُس کے دِل میں ماں باپ کی یہ قدر ہے ۔

رانی۔ اُس کے دِل میں اپنی محبّت کا اندازہ اُس کی موجودہ حالت سے نہ لگائیے۔ یہ جنُون آرام سے گذر جانے دِیجئے۔ اور پھر دیکھئے سلیم کیا بن جاتا ہے ۔

اکبر۔ (رانی کو تکتے ہوئے) اور یہ جنُون کس طرح گذرے گا ؟

رانی۔ چڑھا ہؤا دریا بند لگانے سے نہ رُکے گا۔ اُسے انارکلی کو لے لینے دِیجئے۔ وہ اُسے اپنی بیگم بنا لے۔ انارکلی کا ہو کر وُہ ہمارا سلیم بن جائے گا ۔

اکبر۔ (کچھ دیر سامنے دیکھتا رہتا ہے) اُسے اپنا بنانے کے لئے مَیں ایک کنیز کا ممنُون

احسان نہیں بننا چاہتا (توقف کے بعد) جو کچھ وُہ چاہتا ہے اُسے کرنے دو۔
اور جو کچھ مَیں چاہوں گا مَیں کروں گا ۔

رانی۔ (مایوس ہوکر چلتی اور پلنگ کے قریب پہنچ کر رک جاتی ہے) میں پھر کہوں گی۔آپ شہنشاہ ہیں صرف شہنشاہ ۔

اکبر۔ (خاموش کرنے کو ہاتھ اُٹھاکر) ہم اَور کچھ نہیں سُننا چاہتے۔ ہم سوچیں گے۔ اور کل صُبح انارکلی کا فیصلہ ـــــــ

(انارکلی کی ماں دیوانہ وار اندر گھس آتی ہے)

ماں۔ انارکلی کا فیصلہ! میری غریب بچّی کا فیصلہ! اُسے بخش دے ظلِ الٰہی! اَے شہنشاہ! اے غریبوں کی قسمت کے والی!

اکبر۔ (حیرت اور غصّے سے) بغیر اجازت یہاں آنے کی جُرأت!

ماں۔ (دوزانو ہوکر) بندے خُدا کے حضور میں بغیر اجازت جاسکتے ہیں۔ اور تُو خُدا کا سایہ ہے۔ مہربان شہنشاہ ہے۔ اور وُہ میری بچّی ہے۔ میری زندگی کی آس ہے۔ خطاوار ہے۔ مگر تُو کریم ہے۔ گنہگار ہے مگر تُو رحیم ہے۔ بخش دے لِللّٰہ اس کو بخش دے ۔

اکبر۔ جاؤ اور فیصلے کا انتظار کرو ۔

ماں۔ میں کہاں جاؤں شہنشاہ مجھے کہیں قرار نہیں۔ رانی تُم عورت ہو (اُٹھ کر رانی کے پاؤں پکڑ لیتی ہے) بچّے کی ماں ہو۔ ان ٹیسوں کو جانتی ہو۔ مَیں تُمہارے پَیروں کو چُومتی ہُوں۔ کہہ دو مجھے مار ڈالیں۔ مَیں دُنیا سے سیر ہو چکی میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ مگر اُس ناشاد نے دُنیا کا کچھ نہیں دیکھا۔ اُسے

بخش دیں ؎

اکبر۔ (دروازے کی طرف رُخ کرکے) اسے لے جاؤ ؎

(خواجہ سرا داخل ہوکر اسے اُٹھاتے ہیں)

ماں ۔ مَیں یہیں جم کر رہ جاؤں گی۔یہیں ہوش و حواس کھو بیٹھوں گی ۔ مُجھے ہاتھ پھیلا لینے دو۔ خُون کو خُون کے لیئے اِلتجا کر لینے دو۔ شاید وُہ بچ جائے۔ میری جان ۔میرے جگر کا ٹکڑا ۔میری نادرہ ! (خواجہ سرا لے جانے کو کھینچتے ہیں) رانی تم بولو۔ شہنشاہ ایک رحم کی نظر ڈالو۔ یہ بُڑھیا جی اُٹھے گی ؎

(اکبر سر جُھکائے خاموش کھڑا رہتا ہے)

ظالمو نہ کھینچو۔ رحم ! رحم ! الٰہی تو ہی سُن۔ظلّ الٰہی نہیں سنتا۔اے آسمان پھر تُو ہی مدد دے ۔ رانی مدد نہیں کرتی ۔اِن کے دِلوں کو نرم بنا کہ اِنہیں میرا دُکھ معلوم ہو سکے ؎

(اکبر بے قراری سے سر ہلاتا ہے۔خواجہ سرا انارکلی کی ماں کو زور سے کھینچتے ہیں)

ہائے مجھے یُوں نامُراد نہ لے جاؤ۔مَیں یہاں سے نکلتے ہی دم توڑ دُوں گی۔ یہ مُنصف آسمان گر پڑے گا۔اِس ظُلم کا اِس قہر کا اِنتقام لے گا ؎

(خواجہ سرا چیختی چلاتی کو زبردستی لے جاتے ہیں۔پیچھے پیچھے رانی آنسو پونچھتی ہوئی خاموش چلی جاتی ہے)

اکبر۔ (توقف کے بعد سر آسمان کی طرف اُٹھا کر) نامُراد باپ اور مایُوس شہنشاہ ۔یُوں تیرے خواب تمام ہُوئے (آنکھیں بند کرکے سر جُھکا لیتا ہے) دُنیا سے۔واقعات

ہے اور تقدیر تک سے لڑنے کے بعد کون جانتا تھا مجھ کو یہ دردانگیز مرحلہ طے کرنا پڑے گا۔ (گہری آہ بھر کر) جس کے لئے خود سب کچھ کیا تھا۔ اس سے۔ اپنی اولاد سے۔ شیخو سے اُلجھنا ہوگا۔ (توقف کے بعد بے قراری سے) یاس یاس۔ ہندوستان کیوں اور جہاں بانی کی آرزو کیوں۔ (سوچتے ہوئے ملول نظروں سے) اُس کے لئے جس نے ایک حسینہ کی آنکھوں پر باپ کو فروخت کر ڈالا! اُس کو باپ نہیں چاہیئے۔ باپ کی محبت نہیں چاہیئے۔ باپ کا ہندوستان نہیں چاہیئے۔ وُہ صرف انارکلی کو لے گا۔ ایک کنیز کو جو اُسے انداز دِکھائے۔ اس کے سامنے ناچے اور اُس سے اشارے کنائے کرے (ہاتھ پیشانی پر رکھ لیتا ہے) آہ میرے خواب! میرے خواب! (انتہائی مایوسی کے عالم میں مُڑ کر تخت تک پہنچتا ہے۔ اور اُس کے قریب خاموش کھڑا ہو جاتا ہے) کل رات وُہ اپنی جنّت میں تھا۔ اگر دلارام نہ دِکھاتی ——— کہاں ہے وُہ۔ وُہ ضرور کچھ زیادہ جانتی ہوگی (مُڑ کر تالی بجاتا ہے)

(خواجہ سرا داخل ہوتا ہے)

دِلارام!

(خواجہ سرا اُلٹے پاؤں واپس جاتا ہے)

(تخت پر بیٹھ کر) میرے ہی بیٹے کی محبت اگر ایک کنیز چاہے تو مجھ کو بخش سکتی ہے۔ آہ شیخو! تم اکبر کی کنیز کو اکبر ہی کے سینے پر نچانا چاہتے ہو۔ (انتہائی صدمہ کے مارے سر جھکا لیتا ہے)

(دِلارام داخل ہوکر مُجرا بجا لاتی ہے)

اکبر۔ (کچھ دیر چُپکا اسے دیکھتا رہتا ہے) لڑکی! تجھے شیخو اور انارکلی کے کیا تعلقات معلوم ہیں؟

دِلارام۔ (سراسیمگی سے) ظلِّ الٰہی کچھ نہیں ۔

اکبر۔ جواب دینے سے پہلے سوچ ۔

دِلارام۔ مَیں نے سچ کہہ دیا ۔

اکبر۔ (پُرمعنی انداز میں) تو نے سچ نہ کہا تو تجھ سے سچ کہلوایا جائے گا ۔

دِلارام۔ (سہم کر) ظلِّ الٰہی! ظلِّ الٰہی!

اکبر۔ ایک لفظ نہیں۔ جو کچھ ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اُس کے سوا ایک لفظ نہیں ۔

دلارام۔ (بڑھ کر دوزانو ہو جاتی ہے۔ لجاجت سے) مَیں کچھ نہیں جانتی ۔

اکبر۔ (دلارام کی گردن دونوں ہاتھ سے پکڑ کر) کمینی جھُوٹ! تُو نے دکھایا۔ صرف تُو دیکھ سکی۔ تمام جشن میں سے صرف تُو۔ جو اُس وقت ہمارے حضور میں موجود تھی۔ جو سب سے زیادہ مصروف تھی۔ تو جانتی تھی۔ تجھے اس کی توقع تھی۔ کہنا ہوگا دلارام۔ سب کچھ جو تُو جانتی ہے۔ ورنہ کہلوایا جائے گا ۔

دِلارام۔ مجھے بخش دیجے۔ مجھے بخش دیجے ۔

اکبر۔ تیرا دوسرا غیر ضروری لفظ پُوچھنے کے ذرائع تبدیل کر دے گا ۔

دِلارام۔ (سہمی ہوئی آواز میں) وُہ مجھے برباد کر ڈالیں گے۔ ظلِّ الٰہی کے عتاب میں لے آئیں گے ۔

اکبر۔ کون ؟

دلارام۔ (اِدھر اُدھر دیکھ کر) صاحب عالم !

اکبر۔ شیخو ؟ وُہ جرأت نہیں کر سکتا ۔

دِلارام۔ (اکبر کے پیروں کو ہاتھ لگا کر) اُن کی دھمکی خوف ناک تھی۔ افشائے راز کی سزا موت سے بھی زیادہ ہولناک تھی ۔

اکبر۔ کیا ؟

دلارام۔ مجھ پر وُہ جھُوٹا الزام لگایا جائے گا۔ جو واقعات نے انارکلی پر لگایا ۔

اکبر۔ کہ تُو سلیم کو چاہتی ہے ؟

دِلارام۔ اور محبت کی مایُوسی نے مجھے یُوں انتقام لینے پر آمادہ کیا ۔

اکبر۔ تُو ہمارے سایۂ عاطفت میں ہے۔ بول !

دِلارام۔ (کھڑی ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتی ہے) وُہ رات کو باغ میں ملتے تھے۔ اور اُن کی مُلاقاتیں خطرناک ارادوں سے بھری ہوتی تھیں ۔

اکبر۔ (دلارام کو تکتے ہوئے) وُہ ارادے ؟

دِلارام۔ (لجاجت سے) مجھے جُرأت نہیں پڑتی ۔

اکبر۔ (کڑک کر) کہے جا !

دِلارام۔ (تامّل کے بعد) وُہ ظلِّ الٰہی کے دُشمنوں پر آنچ لانے اور ہندوستان کے تخت پر قبضہ پانے کی تجویزیں کرتے تھے ۔

اکبر۔ (دلارام پر یُوں نظریں گاڑ کر گویا سب کچھ اُس کے جواب پر منحصر ہے) شیخو بھی ؟

دِلارام۔ انارکلی صاحبِ عالم کو اس پر آمادہ کرتی تھی ۔

اکبر۔ (گرج کر) تو جھوٹ بول رہی ہے جھوٹ ۔

دلارام۔ (پیروں میں گر کر) ظلِ الٰہی کے حضور میں زبان سے جھوٹ نہیں نکل سکتا ۔

اکبر۔ اُس سے انارکلی نے کہا ——— ؟

دِلارام۔ ایک طرف باپ ہے اور دُوسری طرف محبُوب۔ دونوں میں سے جو پسند ہو چُن لو ؟

اکبر۔ (بالوں سے پکڑ کر دلارام کا چہرہ اوپر کرتا ہے) اور شیخو نے دونوں میں سے محبُوب کو پسند کیا ؟

دِلارام۔ وُہ کھوئے سے گئے۔ مگر انارکلی رو پڑی۔ وُہ اُٹھے اور اُن کا ہاتھ تلوار پر گیا۔ اُنھوں نے انارکلی کے کان میں کچھ کہا۔ اور وُہ مُسکرانے لگی ۔

(اکبر دلارام کو چھوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایذا کے احساس سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اس کا بدن آگے پیچھے یوں جھوم رہا ہے گویا پیروں میں جسم کو سنبھالنے کی تاب نہیں رہی۔ آخر لڑکھڑا کر تخت پر بیٹھ جاتا ہے)

دِلارام۔ مَیں چھُپ کر سُن رہی تھی۔ تو صاحبِ عالم کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ یہ سمجھ کر کہ میں یہ گفتگو بارگاہِ عالی تک پہنچا دُوں گی۔ اُنھوں نے مجھ کو دھمکی دی۔ کہ انارکلی کا نام زبان سے نکالنے پر تجھ کو پچھتانا ہوگا۔ مہابلی کے سامنے جھُوٹی شہادت پیش کی جائے گی۔ کہ تُو خود ہم کو چاہتی ہے۔ اور جب ہم نے تجھ کو مایُوس کر دیا۔ تو تُو نے اپنی ناکامی کا انتقام لینے کو یہ ڈھنگ نکالا۔ میں سہم گئی۔ میری زبان بند ہو گئی۔ مجھے جہاں پناہ کے حضُور میں ایک لفظ زبان سے نکالنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ لیکن مَیں اِس فکر میں گھُلتی رہی۔ ایسے

موقع کی تاک میں رہی جہاں میری زبان بند رہے۔ اور شہنشاہ کی نظریں دیکھ سکیں ؛

اکبر۔ (صدمے کے مارے سُن سا یُوں بیٹھا ہُوا ہے گویا اس بھری دنیا میں اکیلا اور تہی دست رہ گیا ہے۔ آہستہ سے) بس کر۔ بس کر ؛

دِلارام۔ (ملال سے) صاحب عالم بے قصور ہیں۔ معصوم ہیں۔ وہ پُھسلا لئے گئے بہکا لئے گئے ؛

(خواجہ سرا آتا ہے)

خواجہ سرا۔ مہابلی داروغۂ زندان شرفِ باریابی چاہتا ہے ؛

اکبر۔ کون ؟

خواجہ سرا۔ داروغہ جو زندان میں انارکلی کا محافظ ہے ؛

اکبر۔ (مُنہ دوسری طرف کرکے) ہر زبان پر یہی نام میری تضحیک کر رہا ہے۔ (توقف کے بعد خواجہ سرا سے) اِس وقت کیا چاہتا ہے ؟

خواجہ سرا۔ اُسے کچھ بے حد ضروری کام ہے ؛

اکبر۔ (ذرا دیر خاموش رہ کر) بُلاؤ ؛

(خواجہ سرا اُلٹے پاؤں واپس جاتا ہے)

(توقف)

دِلارام۔ (لجاجت سے) مہابلی۔ لونڈی کو مُعاف کرنا۔ میرے الفاظ نے سماعت عالی کو صدمہ پہنچایا۔ مگر پھر مَیں کیا کرتی۔ کس طرح ظلِّ الٰہی کی جان کو خطرے میں دیکھتی اور چُپ رہتی ؛

اکبر۔ (یکایک بے تاب ہوکر) کمینی دُور ہو جا!

(دلارام مُجرا بجا لاکر چلی جاتی ہے۔

اکبر خاموش اور ساکت بیٹھا رہتا ہے۔ مگر اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی ہیں)

میرے دماغ میں شعلے بھڑک رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا میں کیا کر بیٹھوں گا۔ مگر وُہ اس صدمے کی طرح مہیب ہوگا۔

(داروغۂ زندان داخل ہوکر مُجرا بجا لاتا ہے۔ اس کا سانس پھُول رہا ہے۔ اور وُہ منتظر ہے کہ اکبر اس سے سوال کرے)

رات کو کیوں آیا؟

داروغہ۔ (ہاتھ جوڑ کر) ایک المناک داستان سُنانے کو۔

اکبر۔ (اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر) بیان کر!

داروغہ۔ (ہانپتے ہوئے) صاحبِ عالم نے اِس وقت بزورِ شمشیر انارکلی کو زنداں سے لے جانا چاہا۔

اکبر۔ (پاگلوں کی طرح داروغہ کا مُنہ تکتے ہوئے) کیا؟

داروغہ۔ وہ تلوار سونت کر میرے سرہانے پہنچے۔ شمشیر کی نوک میرے سینے پر رکھ کر مُجھ سے کُنجیاں چھین لیں اور زنداں میں داخل ہو گئے۔

اکبر۔ (کھڑا ہو جاتا ہے) شیخو۔ بزورِ شمشیر؟ (تحیّر کے عالم میں ماتھے پر بل پڑ جاتے ہیں) باپ کو برباد کر چکنے کے بعد اب وُہ شہنشاہ سے بھی باغی ہے۔ (توقف کے بعد کوشش کرکے سکون سے) اَور کیا ہوُا؟

داروغہ۔ میں صاحب عالم سے مقابلہ کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ دروازے کے پاس کھڑا ہو کر اُن کی گفتگو سننے لگا ۔

اکبر۔ (دوسری طرف منہ کرکے) وہ کیا باتیں کر رہے تھے ؟

داروغہ۔ (تھوڑے سے توقف کے بعد ڈرتے ہوئے) اُنہیں سُن کر شہنشاہ کی سماعت کو صدمہ پہنچے گا ۔

اکبر۔ (گرج کر) بول !

داروغہ۔ شہزادہ چاہتا تھا انارکلی کو لے کر بھاگ جائے۔ لیکن انارکلی ہندوستان چاہتی تھی۔ وہ بولی یہ زنجیریں نہ کاٹو۔ اُور زنجیریں پڑ جائیں گی۔ میرے اور تمہارے درمیان جو دیوار کھڑی ہے۔ اُس کو ڈھاؤ ۔

اکبر۔ (سامنے گھورتے ہوئے) دیوار ! (ذرا دیر بعد اُس کا سر یُوں جھک جاتا ہے۔ گویا گردن پر ڈھیلا ڈھیلا ہے)

داروغہ۔ (اکبر کو متاثر دیکھ کر) صاحب عالم نے انکار کر دیا۔ اور بھاگ چلنے پر زور دیا ۔

اکبر۔ (یک لخت داروغہ کا گریبان پکڑ کر) تو جھوٹ بولتا ہے۔ اُس نے انارکلی کی آرزو پوری کرنے کا وعدہ کیا ۔

داروغہ۔ (ذرا دیر سمجھ نہیں سکتا کیا کہے۔ آخر سراسیمگی سے) نہیں۔ ہاں وہ مجبور کر دئیے گئے تھے ۔

اکبر۔ (داروغہ کا گریبان چھوڑ کر قہرآلود نگاہیں اُس پر ڈالتا ہے) اور پھر ؟

داروغہ۔ دونوں نے وہاں سے نکلنا چاہا ۔

اکبر۔ اور تُو ؟

داروغہ۔ مَیں نے مقابلہ کر کے صاحبِ عالم کو روکنا محال جانا۔ مَیں نہ تلوار نکال سکتا تھا۔ نہ اُنہیں زنداں میں بند کر دینے کی جُرأت کر سکتا تھا۔ مَیں دَوڑا ہُوا اندر گیا۔ اور مَیں نے کہا۔ ظلِّ الٰہی اِدھر تشریف لا رہے ہیں ۔

اکبر۔ اور وُہ کیا بولے ؟

داروغہ۔ انارکلی بولی "صاحبِ عالم تلوار کھینچو"۔ اور صاحبِ عالم نے کہا "شہنشاہ کو آنے دو"۔

(اکبر اپنے آپ کو سنبھالنے کی بہت کوشش کرتا ہے۔ مگر نہیں سنبھل سکتا۔ اوندھا گرنے لگتا ہے۔ داروغہ بڑھ کر اُسے تھام لیتا اور تخت پر بٹھا دیتا ہے۔ اکبر ذرا دیر بعد نظر اس کی طرف اُٹھاتا ہے ۔

داروغہ۔ (توقف کے بعد) مَیں نے اُنہیں اِس کوشش کے انجام سے ڈرایا۔ اور وعدہ کیا کہ مہابلی کے چلے جانے کے بعد مَیں خود انارکلی کے فرار میں امداد دُوں گا۔ شہزادے کو یقین نہ آتا تھا۔ لیکن جب مَیں نے اس کام کے لئے رشوت طلب کی تو اُنہوں نے مان لیا۔ مگر ساتھ ہی دھمکی دی۔ کہ وعدہ خلافی کی صُورت میں ظلِّ الٰہی کے حضور میں جھوٹی شہادت پہنچائی جائے گی۔ کہ تُو نے رشوت لی ہے ۔

اکبر۔ (کمزور آواز میں) وُہی دھمکی جو دلارام کو دی گئی تھی ۔

داروغہ۔ اس کے بعد مَیں اُنہیں اپنے حُجرے میں لے گیا۔ اور وہاں اُن کو بند کر کے اطلاع دینے کے لئے بارگاہِ عالی میں حاضر ہُوا ۔

اکبر (منہ ہی منہ میں) یوں ہی ہونا تھا۔ یوں ہی ہونا تھا ॰

داروغہ۔ (لجاجت سے) صاحب عالم معصوم ہیں۔ ترغیب خوف ناک تھی ॰

اکبر۔ (سوچتے ہوئے پُر معنی انداز میں) ہاں ترغیب خوف ناک ہے ॰

داروغہ۔ مجھے اندیشہ ہے صاحب عالم کل کوئی اَور فتنہ نہ کھڑا کر دیں ॰

(اکبر کچھ جواب نہیں دیتا۔ ساکت و جامد بیٹھا ہے۔ توقف غیر محدود معلوم ہوتا ہے)

مَیں ظلِ الٰہی کے فرمان کا منتظر ہوں ॰

اکبر (کچھ دیر بعد سکون سے) موت!

داروغہ۔ (آہستہ سے) کِس کی؟

اکبر (بڑھتے ہوئے جوش سے) جس کے رقص نے ہندوستان کے تختِ سلطنت کو لرزا دیا۔ جس کے نغمے نے ایوانِ شاہی میں شعلے بھڑکا دیئے۔ جس کے حُسن نے جگر گوشۂ مغلیہ کے حواس چھین لئے۔ جس کی نظروں نے ہندوستان کے شہنشاہ کو۔ شیخو کے باپ کو۔ جلال الدّین کو لُوٹ لیا۔ جس کی ترغیب نے خُون میں خُون کے خلاف زہر ملایا۔ جس کی سرگوشیوں نے قوانینِ فطرت کو توڑنا چاہا۔ لُٹا ہؤا باپ۔ تھکا ہؤا شہنشاہ۔ ہارا ہُؤا فاتح۔ اُسے فنا کرے گا۔ مارے گا۔ مٹائے گا۔ جس طرح اُس نے میری اولاد کو مجھ سے جُدا کیا۔ یُوں ہی وُہ اپنی ماں سے جُدا ہو گی۔ جس طرح اُس نے مجھے عذاب میں ڈالا۔ یُوں ہی وُہ عذاب میں مبتلا کی جائے گی۔ جس طرح اُس نے میرے ارمانوں اور خوابوں کو کچلا۔ یُوں ہی اُس کا

جسم کچلا جائے گا۔ لے جاؤ۔ اکبر کا حکم ہے۔ سلیم کے باپ کا۔ ہندوستان کے شہنشاہ کا۔ لے جاؤ اس حسین فتنے کو۔ اس دل فریب قیامت کو۔ لے جاؤ۔ گاڑ دو۔ زندہ دیوار میں گاڑ دو۔ زندہ دیوار میں گاڑ دو۔

(داروغہ رخصت ہو جاتا ہے۔ اکبر بولتا بولتا کھڑا ہو گیا تھا۔ اور اس کا ہوش جیسے اُس کے قابو سے نکل گیا تھا۔ تھک کر نیم بے ہوشی کی حالت میں مسند پر گر پڑتا ہے)

پردہ

منظر چہارم

زنداں کا بیرونی منظر ۔

صبح ۔ پھیکے آسمان پر دو تین بھٹکے ہوئے تارے حسرت آلود ہیں۔ فضا میں جیسے کسل اور اضمحلال ہے۔ فطرت کا باسی مُنہ اُترا اُترا اور بے رونق ہے۔ زندگی سو کر اُٹھے ہوئے مزدور کی طرح ملول و غمناک ہے ۔

زنداں کے دروازے کے دونوں طرف حبشی خواجہ سرا ننگی تلواریں لئے بُت بنے کھڑے ہیں ۔

داروغۂ زنداں اور دو اَور خوف ناک صورت حبشی خواجہ سرا داخل ہوتے ہیں۔ زنداں کے دروازے کا قفل کھولتے ہیں۔ اور خاموشی سے اندر داخل ہو جاتے ہیں ۔

انارکلی ۔ (اندر سے) سلیم!

(اور پھر انارکلی کی ایک چیخ کی آواز آتی ہے۔ اور سکوت طاری ہو جاتا ہے ۔

زنجیروں کے ہلنے کی آواز آتی ہے۔ اور تھوڑی دیر میں داروغہ اور خواجہ سرا
انارکلی کو لے کر نکلتے ہیں ؏
انارکلی کی آنکھیں پھٹی ہُوئی ہیں۔ ان میں سے زندگی بُجھ چُکی۔ رنگت
زرد ہے۔ وہ مُنہ ہی مُنہ میں کچھ بول رہی ہے۔ اور سامنے آسمان کی طرف
بے معنی نظروں سے تک رہی ہے ؏
دونوں خواجہ سرا تلوار نکالتے ہیں۔ داروغہ ہتھکڑی کی زنجیر کھینچتا ہے۔
انارکلی چلتی ہے۔ یُوں جیسے نیند میں چلی جا رہی ہو۔ سب اس کو لے کر
خاموشی سے چلے جاتے ہیں۔ اُن کے جانے کے بعد محافظ خواجہ سرا تلواریں
نیام کرتے اور رخصت ہو جاتے ہیں ؏
مندر سے گھنٹوں کی طُول ٹن ٹن آنی شروع ہو گئی ہے۔ مسجد سے
اذان ضعیف و نحیف کائنات کی دُکھ بھری فریاد معلوم ہوتی ہے)

پردہ

سلیم کا شمن بُرج والا ایوان ٭

باہر نیلے آسمان اور مسجد کے گُنبد اور میناروں پر دھُوپ کہہ رہی ہے کہ دِن چڑھ چُکا۔ اندر سلیم تخت پر بے ہوشی کی حالت میں یُوں پڑا ہے۔ گویا کہیں سے لاکر لٹا یا گیا ہے۔ ذرا سی دیر بعد حرم کی طرف کے دروازے کے پردے ہِلتے ہیں۔ اور دِلارام سر نکال کر اندر جھانکتی ہے جب اطمینان ہو جاتا ہے کہ سلیم غافل ہے تو وُہ دبے پاؤں اندر آتی اور آہستہ آہستہ پنجوں کے بل چلتی ہوئی قریب پہنچ کر تھم جاتی ہے ٭

دِلارام۔ (کچُھ دیر خاموشی سے سلیم کو تکتی رہتی ہے) تُو غافل سو رہا ہے۔ اور موت کا مُنہ تیری انارکلی پر بند ہو چُکا ہے —— تیری زندہ انارکلی کے گرد اینٹیں اور پتھر چُنے گئے۔ اور اُس کا حُسن خاک میں غرُوب ہو گیا —— اُس کی نزع کی چیخیں تیری نیند میں نہ پہنچیں۔ میری ہڈیوں میں کیوں گُونج

رہی ہیں! (سر جھکا کر آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد سر اُٹھاتی اور سامنے تکنے لگتی ہے) لیکن میرا کیا قصور! یہ تو ستاروں کے کھیل ہیں۔ کون اُن کی پُراسرار چال کو سمجھ سکتا ہے۔ اور کون جانتا ہے۔ جب وُہ ٹکراتے ہیں تو کیا ہوتا ہے (سلیم کراہ کر کروٹ لیتا ہے۔ دلارام حرم کے دروازے کی طرف بھاگتی ہے۔ مگر سیڑھیاں چڑھ کر رُکتی اور مُڑ کر دیکھتی ہے۔ کہ سلیم کروٹ بدلنے کے بعد پھر غافل ہو گیا ہے۔ تامّل کے بعد ایوان میں آجاتی ہے) ابھی نہیں (سلیم کو تکنے لگتی ہے) پر تُم جاگ کر کیا کرو گے شہزادے! ——— اِس خبر کو سُن کر آنسو بہاؤ گے یا جنوُن میں کھلکھلاؤ گے! (سلیم پھر کروٹ بدلتا ہے۔ دِلارام پھر حرم کے دروازے کی طرف بڑھتی ہے۔ مگر رُخصت ہونے کو جی نہیں مانتا۔ آخر جلدی سے بڑھتی ہے۔ اور ورلے دروازے کے پردے کے پیچھے چھُپ جاتی ہے)

سلیم۔ (آنکھیں کھول دیتا اور ذرا دیر چپ چاپ پڑا ساکن نظروں سے چھت کو تکتا رہتا ہے پھر اُٹھ کر بیٹھ جاتا اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیتا ہے۔ کچھ دیر بعد چونک کر حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہے) یہ کیا ہے! (آنکھوں پر ہاتھ پھیرتا ہے) کیا ہو گیا ہے! (کھڑا ہوتا ہے۔ مگر لڑکھڑا کر پھر بیٹھ جاتا ہے) میرا اپنا ایوان! ——— مَیں انارکلی کے پاس تھا۔ اُس کا سانس میری پیشانی پر اب تک تازہ ہے (سوچنے لگتا ہے) ہاں داروغہ آیا تھا۔ اور ظلِّ الٰہی ——— داروغہ مجھے اپنے حجرے میں لے گیا۔ مَیں نے اس کے انتظار میں ایک زندگی کا پُورا عذاب دیکھا اور پھر وُہ لَوٹا ——— ہاں وُہ لَوٹا ——— اور پھر؟ ——— ہم انارکلی کی طرف جانے لگے۔ اور وُہ تھم گیا۔ ہم نہ گئے ——— اُس نے مجھے

تازہ دم کرنے کے لئے ایک شربت دیا۔ اور پھر ؟ ——— کچھ نہیں ———
اور پھر ؟ ——— کچھ نہیں۔ اب مَیں یہاں ہُوں۔ یہ کیا اسرار ! کیسے ہُوا ؟
(سوچتا سوچتا یک لخت چونک پڑتا ہے) خُداوندا ! یہ تمام منصُوبہ تھا ؛ کاش نہ ہو
کاش نہ ہو۔ نہیں تو کیا نہ ہوچکا ہوگا ! میری انارکلی ! میری اپنی انارکلی !
(اِدھر اُدھر یُوں دیکھ کر جیسے بدن میں بجلی سی بھر گئی ہے) مجھے ابھی معلوم ہونا چاہیئے۔
میری تلوار ! (پہلو میں دیکھتا ہے۔ تلوار نہیں ہے) میری تلوار ! میری تلوار !
(جس میز پر تلوار رکھی رہا کرتی ہے۔ وہاں جاکر دیکھتا ہے۔ نیام خالی ہے) خالی !
(پھینک دیتا ہے) یہ کیا ! (ایک لحہ سکتے کے سے عالم میں رہتا ہے اور پھر یک لخت)
سلیم بھاگ۔ تیر کی طرح جا ! (باہر جانے کے لئے دروازے کی طرف بھاگتا ہے)
(دروازے میں سے ایک سپاہی تلوار لیئے ہُوئے نکل آتا اور جُھک کر تعظیم بجالاتا
ہے)

(سلیم اُسے حیرت کے عالم میں تکتا ہُوا پیچھے ہٹتا ہے) کیا ؟

سپاہی۔ صاحب عالم اِس ایوان سے باہر نہیں جاسکتے ؎

سلیم۔ کیوں ؟

سپاہی۔ ظلِّ الٰہی کا فرمان ہے ؎

سلیم۔ ظلِّ الٰہی کا فرمان ! کس لئے ؟

سپاہی۔ صرف ظلِّ الٰہی جانتے ہیں ؎

سلیم۔ مَیں قید ہُوں ؟

سپاہی۔ صاحب عالم کی راحت کے تمام سامان مہیّا کیئے جاسکتے ہیں ؎

سلیم ۔ اور مَیں باہر نہیں نکل سکتا ؟

سپاہی ۔ ہم مجبور ہیں ٭

سلیم ۔ (جلال کے عالم میں) مَیں جاؤں گا ٭

سپاہی ۔ (سکون سے) کوشش بے سُود ہے ۔ ہر طرف مسلّح سپاہی ہیں ۔ آگے دروازے مقفّل ہیں ۔ اور دروازوں کے باہر پھر مسلّح سپاہی ہیں ٭

سلیم ۔ (بے بسی کے احساس سے غضب ناک ہو کر) مَیں تم کو مار ڈالوں گا ٭

سپاہی ۔ (اُسی سکون سے) لیکن دروازے بہت مضبوط اور باہر سے مقفّل ہیں ٭

سلیم ۔ (کچھ دیر سوچتا رہتا ہے ۔ اور پھر شدّتِ غم سے آنکھیں بند کر لیتا ہے) آہ مَیں اسیر ہوں ۔ بے بس ہوں ۔ خُداوندا ! (مسند پر گر پڑتا ہے)

سپاہی ۔ مَیں ڈیوڑھی میں احکام کا منتظر ہوں ٭

(سپاہی جاتا ہے)

سلیم ۔ (بے چارگی کے احساس سے مغلوب ہو کر سر تکیے پر رکھ دیتا ہے) سب کچھ ہو چکا ۔ اُنہیں سب معلوم ہو گیا ۔ محبّت بچھڑ گئی ۔ آرزوئیں اُجڑ گئیں ۔ (بے قراری سے سر ہلا کر) کچھ نہیں ۔ کچھ نہیں ۔ صرف آنسو ۔ صرف آہیں (بیٹھ کر مٹھیاں آسمان کی طرف اُٹھا دیتا ہے) تقدیر ! تقدیر ! صرف ایک تبسّم اور اتنا عتاب ؟ کون سی خوشیاں مُفت دے دی تھیں ۔ کن راحتوں کی قیمت لینی تھی ؟ یہ بے بسی ! یہ مجبوری ! اور صرف آہیں اور آنسو ۔ مَیں نے کون سے قہقہے تجھ سے چھین لئے تھے ؟ (تکیے پر سر رکھ کر رونے لگتا ہے) جُدا کر دئے گئے ۔ ایک دُوسرے سے نوچ کر الگ ڈال دیا گیا ۔ کہ مَیں یہاں خُون

روؤں اور وُہ وہاں دیواروں سے سر پھوڑے (سر اُٹھاکر) اللہ تُو دیکھ رہا ہے کہ وُہ وہاں دیواروں سے سر پھوڑے (کھُلی آنکھوں سے سوچتے ہوئے) اور کون جانے۔ اسیری اَولاد کے لئے۔ اُس کے لئے کیا ہوگا! نہیں نہیں کُچھ اَور نہ ہو۔ اَور نہ ہو۔ مَیں دم توڑ دُوں گا۔ زندہ نہ بچوں گا (پھر سینے میں مُنہ چھُپاکر رونے لگتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد سر اُٹھاتا ہے۔ آنسو پونچھ ڈالتا ہے۔ اور استقلال کی تصویر بن کر کھڑا ہو جاتا ہے) موت ہے تو پھر یُوں ہی ہو مَیں حرم میں گھُس جاؤں گا۔ ظلِّ الٰہی کے رُوبرو۔ اور خُدا ہی جانتا ہے پھر کیا ہوگا (حرم میں جانے کے لئے سیڑھیوں کی طرف بڑھتا ہے۔ لیکن دو ہی سیڑھیاں چڑھنے پاتا ہے۔ کہ ڈیوڑھی کی طرف کا پردہ کھُلتا ہے۔ اور بختیار داخل ہوتا ہے۔ چہرہ پر فکر و تردّد ہے)

بختیار۔ سلیم!

سلیم۔ آہ تم بختیار! تم آگئے؟ (لپک کر اس کے قریب جاتا۔ اور اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام لیتا ہے) میرے دوست میرے مُخلص! میری امید! مجھے بتاؤ۔ نہیں جانتا کیا کیا پُوچھوں۔ سب کُچھ بتاؤ۔ نہیں پہلے بتاؤ۔ وُہ زندہ ہے؟

بختیار۔ (سلیم کو حسرت ناک نظروں سے دیکھتے ہوئے) مَیں گھر سے سیدھا یہاں آرہا ہُوں۔

سلیم۔ لیکن تمہیں معلوم ہوگا۔ بہت کُچھ۔ ایک بے بس قیدی سے بہت زیادہ۔

بختیار۔ (نظریں جھکاکر) مَیں کُچھ نہیں جانتا۔

سلیم۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے! مَیں جانتا ہُوں۔ تُم مجھے چاہتے ہو۔ تُمہارا دوست قید ہے۔ لیکن تُم پھر بھی اُس سے نفرت نہیں کر سکتے۔ میری محبت تمہیں تالوں اور تلواروں میں سے کھینچ لائی۔ تُم نے کن دُشواریوں سے یہاں آنے کی اجازت پائی ہو گی۔ اور تُم انارکلی کے حال سے بے خبر یہاں آ گئے ہو گے؟ نہیں تُم مجھے سنانا چاہتے ہو۔ مگر بختیار تُمہارے پس و پیش میں موت کا کرب ہے۔ میرا دل سینے سے ٹکّریں مار رہا ہے۔ مجھے انارکلی کی خبر سُناؤ۔

بختیار۔ (مُنہ موڑتے ہوئے) مَیں اس کی کوئی خبر حاصل نہ کر سکا۔

سلیم۔ اس کی خبر حاصل نہیں کر سکے؟ تُم سے کتنی مختلف بات! تُم بختیار نہیں رہے؟ میرے دوست نہیں رہے؟ مَیں سلیم نہیں رہا؟ تمہارا شہزادہ نہیں رہا؟ (بختیار کا ہاتھ چھوڑ کر سر جھکا لیتا ہے) ہاں احمق تُو شہزادہ نہیں رہا۔ بختیار شہزادے کی خدمت بجا لاتا تھا۔ اب تقدیر نے مُنہ موڑ لیا۔ اسے سلیم سے ایک ذلیل قیدی سے کچھ سروکار نہیں رہا۔ (مایوس و دلِ شکستہ انداز میں سیڑھیوں سے اُتر کر ایوان میں آ جاتا ہے)

بختیار۔ (اُس کے پیچھے پیچھے اشک آلُود آنکھوں کے ساتھ سیڑھیاں اُترتے اُترتے) جان سے عزیز دوست! یہ نہ کہو۔ میرا دِل ٹُوٹ جائے گا۔

سلیم۔ (بے قراری سے اس کی طرف مُڑ کر) پھر مَیں تُم سے کیا کہوں۔ کیا پُوچھوں؟

بختیار۔ کچھ نہ پُوچھو۔ لِلّٰہ مجھ سے کچھ نہ پُوچھو (آنسو چھپانے کو مُنہ دُوسری طرف کر لیتا ہے)

سلیم۔ (آنسو دیکھ لیتا ہے) آنسو! خُداوندا! (لپک کر اس کے قریب آتا اور شانوں سے پکڑ کر اس کا منہ اپنی طرف کرتا ہے) بختیار کچھ کہو۔ بدترین خبر بتاؤ۔ مگر کچھ کہو۔

بختیار۔ (سلیم سے نظریں چار کرنے کی جُرأت نہیں پڑتی۔ بھرّائی ہوئی آواز میں) سب کچھ ہو چکا میرے شہزادے سب کچھ ہو چکا۔ بتانے کو کچھ باقی نہیں رہا۔

سلیم۔ (بختیار سے آنکھیں ملانے کی کوشش کرتے ہوئے) کچھ باقی نہیں رہا؟ تم نے کیا کہا۔ کچھ باقی نہیں رہا؟

بختیار۔ اُمیدیں۔ آرزوئیں۔ اُمنگیں۔ حوصلے سب مٹ گئے (سلیم کو دیکھ کر) تمہارا سب کچھ فنا ہو گیا۔

(سلیم کی نظریں بختیار سے ملتی ہیں۔ بختیار کے چہرے پر دُکھ ہے۔ سلیم کا چہرہ بالکل خالی ہے۔ سکوت ٹیسوں سے بھرا ہوا ہے۔ ذرا دیر دونوں ایک دوسرے کو تکتے رہتے ہیں سلیم سب کچھ سمجھ جاتا ہے۔ اس کا سر جھک کر سینے پر آپڑتا ہے۔ اور وہ کھڑا کھڑا سامنے کو گرنے لگتا ہے۔ بختیار "سلیم! سلیم!" کہتا ہوا اٹھتا اور اسے سنبھال لیتا ہے۔ پھر اسے اپنے ساتھ لے کر مسند پر بیٹھ جاتا ہے۔ سلیم کی آنکھیں بند ہیں اور سر بختیار کی گود میں رکھا ہے)

میرے شہزادے! میرے بادشاہ! میری رُوح! ہوش میں آؤ ——— مرد بنو! دیکھو میں کہتا ہوں۔ آنکھیں تو کھولو ——— (سلیم کو ہلا کر) آؤ ہم انارکلی کی باتیں کریں۔ سُن رہے ہو؟ جواب دو۔ سلیم! ——— سلیم! (پریشان نظروں سے اِدھر اُدھر یوں دیکھتا ہے۔ گویا کسی کو امداد کے لئے پکارنا چاہتا ہے)

سلیم۔ (کچھ دیر بعد آہستہ سے) کہیں نیچے اُترا جا رہا ہُوں۔ بختیار مجھے گود میں بھینچ لو ؂

بختیار۔ میرے سینے کے ساتھ ہو۔ میری جان کے ساتھ ہو۔ تم آنکھیں تو کھولو۔ میری خاطر سے سلیم خُدا کے لئے آنکھیں کھول دو۔ دیکھو میری بات تو سُنو ؂

سلیم۔ (اسی طرح پڑے پڑے ہلکے سے) انارکلی! بختیار انارکلی!

بختیار۔ دیکھو وُہ تمہیں دیکھ رہی ہے ؂

سلیم۔ کہاں؟

بختیار۔ تُم اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ مگر تمہاری بے قراری اس کی رُوح کو بے چین کر رہی ہے۔ تم اُس ناشاد کو مر کر بھی اطمینان حاصل نہیں کرنے دیتے۔ تم ہوش سنبھالو۔ وُہ ہنستی ہوئی فردوس میں حُوروں کے پاس چلی جائے گی ؂

سلیم۔ (کچھ دیر بے حس و حرکت پڑا رہتا ہے۔ بختیار آنسو بھری آنکھوں سے اُسے تک رہا ہے۔ آخر نقاہت سے) مجھے بٹھا دو ؂

(بختیار بے حس و حرکت بیٹھا اندیشہ ناک نظروں سے سلیم کو دیکھتا رہتا ہے)

نہیں نہیں مَیں بیٹھوں گا ؂

بختیار۔ کیوں میرے شہزادے؟

سلیم۔ مجھے تُم سے کچھ کام ہے ؂

بختیار۔ (سلیم پر نظریں گاڑے ہوئے) کیا؟

سلیم۔ (بختیار کا سہارا لے کر اُٹھ بیٹھتا ہے۔ سر شانے کی طرف جھکا ہوا ہے۔ چہرے پر مُردنی چھائی ہے۔ آنکھیں ساکت ہیں۔ ہاتھ جیسے بے جان ہیں۔ زندگی کی کل کا ایک

ہے کا رُبزہ معلوم ہو رہا ہے۔ کچھ دیر بعد سر اٹھاتا ہے۔ اور سامنے ایسی طرح تکنے لگتا ہے کہ کہیں دیکھتا معلوم نہیں ہوتا)

سلیم۔ (اسی طرح تکتے تکتے آہستہ سے) بختیار۔ تم مجھے چاہتے ہو ؟

بختیار۔ سلیم۔ تم اس میں شُبہ بھی کر سکتے ہو ؟

سلیم۔ ایک کام کر دو ؞

بختیار۔ کیا چاہتے ہو ؟

سلیم۔ ایک خنجر لا دو ؞

بختیار۔ (اُٹھ کر سلیم کے سامنے آبیٹھتا ہے) تُم کیا سوچ رہے ہو ؟

سلیم۔ کچھ نہیں۔ مجھے انارکلی کے پاس پہنچنا ہے ؞

بختیار۔ (چہرے پر دُکھ لکھا ہے) سلیم خدا کے لئے ——

سلیم۔ یہ مقررہ ہے ؞

بختیار۔ رسُول کے لئے ——

سلیم۔ (غصّے سے) خنجر لاؤ یا دُور ہو جاؤ ؞

بختیار۔ سلیم کچھ سمجھو ؞

سلیم۔ (اَور غصّہ سے) خنجر لاؤ یا دُور ہو جاؤ ؞

بختیار۔ (سلیم کے غصّہ سے ڈر کر کھڑا ہو جاتا ہے) سلیم مجھ پر رحم کرو ؞

سلیم۔ (یُوں اُٹھ کھڑا ہوتا ہے جیسے رُک جانے کے بعد زندگی ریلا کر کے اُس کے جسم میں واپس آ گئی ہو) کچھ نہیں۔ یہاں سے نکل جاؤ۔ اُٹھو۔ دُور ہو۔ اسی وقت۔ اسی لمحے۔ اسی گھڑی۔ مَیں تنہائی چاہتا ہوں (بختیار کو نکالنے کے لئے

اُس کی طرف بڑھتا ہے)

(حرم کے دروازے سے ثریا داخل ہوتی اور سامنے چبوترے پر چپ چاپ کھڑی ہو جاتی ہے)

(سلیم ثریا کو دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے) ثریا! ——— ننھی! تُو رو نہیں رہی ——— وُہ زندہ ہے؟ (سلیم ثریا کی طرف بڑھتا ہے)

ثریا۔ (وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ اُٹھا کر) میرے قریب نہ آ!

سلیم۔ (حیرت میں) کیا؟

ثریا۔ دُور کھڑا رہ!

سلیم۔ ثریا!

ثریا۔ تیمور کی نامرد اولاد! ہندوستان کے بزدِل ولی عہد! میری بہن کی جان لے کر تُو ابھی زندہ موجود ہے۔ بھُوکوں کو کھا جانے والے کیڑے۔ تُو نے اُس کی جان کو اپنی جان کہا تھا۔ جھُوٹے! تُو نے اُس کو بچا لینے کا وعدہ کیا تھا۔ بے حیا اِس کوشش میں تُو نے اپنی جان تک دے دینے کو کہا تھا! اور سب قول یُوں پُورے ہوئے؛ جوان انارکلی کے۔ انارکلی کی بُڑھیا ماں کے ناپاک قاتل۔ تجھ پر بے کس کا صبر ٹُوٹے۔ تُجھ کو مظلوم کی آہیں پھُونکیں۔ تجھ کو بے بس کے آنسُو غرق کریں؛

بختیار۔ لڑکی خاموش۔ خاموش ———

سلیم۔ (سر جھکا کر) ثریا دُنیا کی کوئی لعنت کوئی بددُعا باقی نہ چھوڑ۔ اور جب تیرا دل بھر جائے تو صرف اتنا کر۔ مجھے اپنی انارکلی کے راستے پر لگا دے

میری ثریا۔ میرا راستہ کھو گیا۔ ننھی تیری انارکلی کا سلیم رستے پر پڑ چکا تھا۔ مگر لُٹ گیا۔ بے بس کر دیا گیا ۔

ثریا۔ ظالم اکبر کے دروغ گو بیٹے! تجھے راستہ نہیں ملتا؟ میری جیتی جاگتی بہن کے گرد دیوار چُن ڈالی گئی۔ وہ ناشاد زندہ گاڑ دی گئی۔ اُس کی سلیم سلیم کی آخری چیخیں آسمان میں شگاف کرتی رہیں۔ وہ گڑتی چلی گئی۔ اور سلیم کے سوا اُس کے مُنہ سے کسی کا نام نہ نکل سکا۔ اُس کی پھٹی ہوئی آنکھیں اینٹوں میں چھُپ جانے سے پہلے صرف تجھ کو تیری نحس صورت کو ڈھونڈتی [illegible] اور تُو یہاں پردوں میں گدیلوں پر جان کو لئے بیٹھا ہے!

سلیم۔ (آنکھیں پھٹی پڑ رہی ہیں) زندہ دیوار میں! پناہ تیری پناہ۔ میرے گرد کس جہنم کا مُنہ کھُل گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے چڑیل تُو نے کس ہیبت کا نقشہ کھینچ دیا!

ثریا۔ وہ تھرتھراتی ہوئی نازنین پتھروں میں ہمیشہ کے لئے ساکت ہو گئی۔ اُس کا دھڑکتا ہوا دل۔ دوڑتا ہوا لہو۔ دیوار میں غرق ہونے کے بعد تھم گیا۔ اور تجھے اُس کا راستہ نہ ملا؟ موت نہ آئی؟

سلیم۔ (پاگلوں کی طرح کبھی اپنے آپ سے کبھی بختیار سے) دیوار بند ہو گئی۔ اُس پر دیوار بند ہو گئی۔ وہ پتھروں میں ڈوب گئی۔ ہمیشہ کے لئے ڈوب گئی۔ میرا دم گھٹا۔ دم گھٹا۔ پتھروں میں رُکا ہوا سانس۔ بند نظریں۔ تھما ہوا لہو مجھے پکار رہا ہے۔ چیخ چیخ کر پکار رہا ہے ۔

بختیار۔ (سلیم کو آغوش میں لے کر) سلیم سلیم تمہیں کیا ہو گیا! نامراد لڑکی۔ تُو نے کیا

کردیا؟

ثریّا۔ خوشامدی کُتے! میری بہن کی رُوح دُوسرے جہان میں اِس کے لیئے بے تاب ہے۔ مَیں اِسے یُوں ہی چھوڑ دُوں گی؟ مَیں اپنے آخری سانس کو اِس کے لئے لعنت بناؤں گی۔ مَیں اِس کے لیئے زندگی کو موت سے بدتر بنا دُوں گی۔ مَیں اِسے خود کھینچ کر موت کے مُنہ میں لے جاؤں گی۔

(سلیم بختیار کے آغوش سے یک لخت الگ ہو کر دیوانہ وار دروازے کی طرف بڑھتا ہے)

بختیار۔ (اسے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے) سلیم کہاں جا رہے ہو؟

سلیم۔ مَیں اینٹ سے اینٹ بجا دُوں گا۔ اِس محل کو اِس قلعے کو کھنڈر بنا دُوں گا۔ پتھروں کو اُگلنا ہوگا۔ میری انارکلی کا جو کچھ باقی ہے وُہ اُگلنا ہوگا۔ میری آغوش اپنی جان اس کے جسم میں ڈالے گی۔ ورنہ ایک ہی کھنڈر پر دونوں چمٹ کر تمام ہوں گے۔

بختیار۔ راہ بند ہے۔

سلیم۔ (مڑ کر دروازے کی طرف بڑھتا ہے) راہ بند ہے تو میری ٹکریں راہ بنائیں گی۔

(پردہ دیوار پر سے نوچ ڈالتا ہے۔ دیکھتا ہے تو پیچھے دِلارام سہمی ہوئی کھڑی اُس کے جنُون کو دیکھ کر کانپ رہی ہے۔ سلیم پاگلوں کی طرح اُسے تکتا رہتا ہے) انارکلی! تُو دیواروں ہی دیواروں میں سے میرے پہلو میں آ پہنچی!

دِلارام۔ (خوف کے مارے گلا خشک ہے) صاحبِ عالم!

ثریّا۔ اندھے! یہ انارکلی ہے یا وُہ سہُوم جس نے انارکلی کو پھُونک ڈالا! دِلارام!

انارکلی کی قاتل تیرے سامنے کھڑی ہے۔ اس نے انارکلی کو گرفتار کرایا۔ جشن کی رات یہ اکبر کے حضور میں موجود تھی۔ اس نے قتل کا حکم دلوایا۔ کل کی رات یہ اکبر کی خواب گاہ میں گئی تھی۔ انارکلی کا سانس بند ہے۔ اور یہ سانس لے رہی ہے۔ انارکلی کے جسم سے زندگی کی آخری رمق مٹ چکی۔ اور اس کے جسم میں لہو جاگ رہا ہے۔ مار! مار! میرا کلیجہ ٹھنڈا کر۔ انارکلی کی روح کی جلن کو مٹا ؛

دلارام۔ ~~(تھر تھر کانپتے ہوئے) میں نے موت کی سزا نہیں دلوائی~~۔ داروغۂ زنداں نے دلوائی ہے۔ میں بے قصور ہوں۔ بے قصور ہوں ؛

سلیم۔ (لپک کر اس کی گردن دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیتا اور دبانا شروع کرتا ہے) آخرکار آخرکار۔ ا[illegible] ہونٹ ڈالنے والے پتھر تو مجنون سلیم کے ہاتھ آ گیا۔ اب اس کے ہاتھ تیرے خون کی ایک ایک بوند سے انارکلی کا انتقام لیں گے ؛

بختیار۔ (سلیم کو الگ کرنے کی کوشش کرتا ہے) دیوانے ہو گئے ہو؟ میرے سلیم! میرے شہزادے! (دلارام پر سلیم کی گرفت بہت مضبوط ہے) ظل الٰہی! ظلِ الٰہی! (گھبرا کر اکبر کو اطلاع دینے جاتا ہے)

سلیم۔ (گرفت ڈھیلی کر دیتا ہے) اِن آنکھوں کی چمک کہاں گئی؟ اِن گالوں کی سرخی اور تازگی کیا ہوئی؟ (ایک خشک اور بے معنی قہقہہ لگا کر دلارام کو نیچے پٹخ دیتا ہے۔ خود مسند پر بیٹھ کر ہانپنے لگتا ہے۔ ثریا چبوترے پر آنکھیں بند کئے چپ چاپ کھڑی ہے)

(اکبر باہر کے دروازے سے گھبرایا ہوا داخل ہوتا اور جلدی جلدی سیڑھیاں
اُتر کر سلیم کے قریب آتا ہے)

اکبر۔ شیخو یہ کیا ہے، تمہیں کیا ہو گیا ہے؟

سلیم۔ (کچھ دیر چپ چاپ اکبر کو تکتا رہتا ہے) تم کون ہو؟

اکبر۔ (فکرمند نظروں سے) شیخو۔ اپنے باپ کو پہچانو۔

سلیم۔ (سر ہلا کر منہ موڑ لیتا ہے) شیخو کا کوئی باپ نہیں۔ وہ مر چکا۔ تم ہندوستان کے
شہنشاہ ہو۔ جہاں بانی کے باپ۔ دولت کے باپ۔ تم قاتل ہو۔ انارکلی
کے قاتل۔ سلیم کے قاتل۔ تمہاری پیشانی پر خون کی مہریں ہیں۔ تمہاری
آنکھوں میں جہنم کے شعلے۔ تمہارے سانس میں نعش کی بو ہے!

اکبر۔ (ایک رنگ چہرے پر آتا اور ایک جاتا ہے) شیخو۔ میرے بچے ہوش میں آؤ۔

سلیم۔ شیخو تمہارا بچہ نہیں۔ دیکھو تمہاری بیٹی وہ پڑی ہے (دلارام کی طرف اشارہ
کرتا ہے) جاؤ اُس سے لپٹو اور اس پہ آنسو بہاؤ۔

اکبر۔ دلارام!

سلیم۔ ہاں تمہارے قید خانے کی کلید۔ تمہارا خون کا فرمان۔ تمہارا کچل ڈالنے
والا پتھر!

اکبر۔ (آنکھیں بند کر کے) خداوندا! یہ دن بھی دیکھنا تھا۔

سلیم۔ اس کی سرد نعش میں روح یہ کہنے کو رکی ہوئی ہے۔ کہ میں نے سلیم کو چاہا
اور اُس نے انکار کیا۔ اُس نے انارکلی کو چاہا۔ اور میں نے انتقام لینے
کے لئے انارکلی کو برباد کیا۔ جاؤ اس سے یہ سنو اور کلیجہ ٹھنڈا کرو۔ اور

پھر اپنے فرزند داروغۂ زنداں کو بُلاؤ۔ اُس پیسے کے کمینے غلام کو جس
نے دولت پہ انارکلی کو بیچنا چاہا۔ اور تمہارے ہاتھ اِس لئے بیچ ڈالا
کہ تُم زیادہ امیر تھے ؛

اکبر۔ (کھوئی ہوئی نظروں سے سامنے تکتے ہوئے) شیخو۔ یہ سچ ہے ؟ ———
(غضب ناک ہوکر) اُس سے انتقام لیا جائے گا ؛

ثریا۔ اُس سے ؟ اور شہنشاہ تُم سے نہیں ؟ تُم بچ جاؤ گے ؟ آسمان نہ ٹُوٹے۔
بجلیاں نہ گریں۔ زلزلے نہ اُٹھیں لیکن یہ چنگاری جسے دوزخ کی ابدیت
سُرخ کر رہی ہیں۔ تُم کو۔ تمہارے محلوں کو۔ تمہاری سلطنت کو۔ سب کو
پھونک کر راکھ بنا دے گی ؛

(غصّے میں سیڑھیاں اُتر کر اکبر کی طرف بڑھتی ہے۔ مگر پاس پہنچنے کے بعد
جب اکبر اُس پر نظر ڈالتا ہے تو سہم جاتی اور "آہ" کہہ کر بے ہوش ہو
جاتی ہے)

اکبر۔ (سلیم کی طرف بڑھتا اور اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیتا ہے۔ سلیم سکڑا ہوا آنکھیں
بند کئے چُپ چاپ بیٹھا ہے) سلیم۔ تُم ہوش میں آگئے ؟ تُم سُن سکتے ہو ؟ سمجھ
سکتے ہو ؟

سلیم۔ (ہلکی آواز میں) مُجھے کُچھ نگل رہا ہے۔ مُجھے کُچھ گھونٹ رہا ہے۔ ویرانوں
میں سے چیخیں آرہی ہیں۔ دیواروں میں سرگوشیاں ہیں۔ ہوا میں کُچھ
لرز رہا ہے۔ (یک لخت کانپ اُٹھتا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھتا ہے)
کیا ہے ؟ مَیں کہاں ہُوں ؟ (——— اکبر کو دیکھ کر) تُم کون ہو ؟

ظلِّ الٰہی! (اُٹھ کر دوزانو ہو جاتا ہے) تم شہنشاہ ہو۔ سخی ہو۔ رحیم ہو۔ مجھے ایک خنجر لادو۔ مَیں اس سب کے بعد بھی تم کو باپ کہوں گا۔ تمہارے قدموں میں سر رکھ دُوں گا۔ تمہارے ہاتھ چُوم لُوں گا۔ مجھے لِلّٰہ ایک خنجر لادو ؞

اکبر۔ (آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آتے ہیں) خداوندا! کیا معلوم تھا۔ یُوں ہوگا! شیخو! میرے مظلُوم بچّے! میرے مجنون بچّے! اپنے باپ کے سینے سے چمٹ جا۔ اگر ظالم باپ سے دُنیا میں ایک راحت بھی پہنچی ہے۔ تیرے سر پر اس کا ایک احسان بھی باقی ہے۔ تو میرے بچّے اِس وقت میرے سینے سے چمٹ جا۔ اور تُو بھی آنسُو بہا اور مَیں بھی آنسُو بہاؤں گا ؞

(اکبر ہاتھ پھیلاتا ہے۔ سلیم کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور ذرا دیر باپ کو دیکھتا رہتا ہے)

مان جاؤ شیخو۔ مان جاؤ ؞

(سلیم مُنہ موڑ لیتا ہے۔ اور ہاتھ پیشانی پر رکھ کر خاموش مسند پر بیٹھ جاتا ہے۔ اکبر کے ہاتھ مایُوسی سے گر پڑتے ہیں)

مجھے چھُومت۔ ایک دفعہ باپ کہہ دے۔ صرف اباّ کہہ کر پکار لے۔ (آنسُو اَور زیادہ اُمنڈ آتے ہیں) مَیں تجھے خنجر لادُوں گا۔ ہاں خنجر تک لادُوں گا۔ مگر بیٹا یہ بدنصیب باپ جسے سب شہنشاہ کہتے ہیں۔ اپنا سینہ ننگا کر دے گا۔ خنجر اُس کے سینے میں بھونک دینا۔ پھر تُو دیکھے گا۔ اور دُنیا بھی دیکھے گی۔ کہ اکبر باہر سے کیا ہے اور اندر سے کیا ہے۔ اکبر کا قہر۔ اکبر کا ستم اور اکبر کا ظُلم کیوں ہے۔ اس کے خُون میں بادشاہ کا ایک قطرہ نہیں۔

ایک بوند نہیں۔ وہ سب کا سب شیخو کا باپ ہے۔ صرف باپ۔ وہ بادشاہ ہے تو تیرے لئے۔ وہ مزدور ہے تو تیرے لئے۔ وہ قاہر اور جابر بھی ہے تو تیرے لئے۔ وہ تیرا غلام ہے۔ اور میرے جگر گوشے غلاموں سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں ۔

(اکبر سسکیاں بھرتا ہوا منہ موڑ لیتا ہے۔ اور ضبط کی کوشش کرتا ہے)

(رانی گھبرائی ہوئی حرم کے دروازے سے داخل ہوتی ہے۔ جلدی جلدی سیڑھیاں اُتر کر اندر آتی ~~اور مسند پر بیٹھ کر سلیم کو آغوش میں لے لیتی ہے~~

سلیم سامنے ہوا میں بے معنی نظروں سے تک رہا ہے)

رانی۔ میرا سلیم۔ میرا سلیم۔ لٹا ہوا بچہ۔ زخمی جگر کا ٹکڑا۔ میرا نامراد شہزادہ ......

(آگے جھک کر) کہاں دیکھ رہا ہے چندا؟ ہوا میں کیا ہے؟

سلیم۔ (آہستہ سے) وہ راستہ تک رہی ہے۔ وہاں راستہ تک رہی ہے۔ اُس کے فق چہرے پر فریاد ہے۔ دھندلی آنکھوں میں انتظار ہے نیلے ہونٹوں پر سلیم ہے (بے تاب ہو کر) مجھے وہاں بھیج دو۔ میری کوئی ماں ہے تو بھیج دے۔ میرا کوئی باپ ہے تو بھیج دے۔ اس محل میں کوئی انسان ہے تو بھیج دے۔ بدنصیب رُوح کا۔ معصوم انارکلی کا صبر نہ لو۔ اُجڑ جاؤ گے۔ اِس محل میں وہ ناشاد رُوح سائیں سائیں کرے گی۔ دیواروں میں پناہ نہ ہو گی۔ قبر میں پناہ نہ ہو گی۔ آسمان تک میں پناہ نہ ہو گی ۔

رانی۔ (آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے) دیکھا؟ دیکھا؟ دیکھ لیا؟ تمہارے سینے میں ٹھنڈک پڑ گئی؟ جاؤ اپنے تخت پر جاؤ۔ حکومت کرو۔ فتحیں پاؤ۔ اولاد کو

برباد کرلیا۔ ماؤں کو خون رلا دیا۔ اور کیا چاہتے ہو؟

(اکبر آنسو پونچھتا ہوا بھاری قدموں سے سیڑھیوں کی طرف جاتا ہے)

سلیم۔ (ماں سے لپٹ کر روتے ہوئے) اماں۔ انارکلی! اماں۔ انارکلی!

رانی۔ (سلیم کو لپٹا کر اور اپنا رخسار اس کے سر پر رکھ کر) میرے لال وہ زندہ رہے گی۔ وقت کی گود میں زمانے کی آغوش میں۔ یہ لاہور اس کا نام زندہ رکھے گا۔ دنیا اس کی داستان سلامت رکھے گی۔ اور تو بھی۔ میں بھی اور دور دراز کی نسلیں بھی اس پر آنسو بہائیں گی ——— سن رہا ہے چاند!

(سلیم ماں کے سینہ سے سر لگائے رو رہا ہے۔ ماں اس کے سر پر شفقت مادری کا سکون ریز ہاتھ پھیر رہی ہے)

اکبر دل شکستہ اور آنسو بہاتا ہوا یوں سیڑھیاں چڑھ رہا ہے۔ گویا اس کے او پر نامرادی اور غم نصیبی کا ویرانہ ہے۔ اور اس نے اپنے لئے اسی کو پسند کر لیا ہے)

پردہ

انارکلی کے متعلق رائیں

ڈاکٹر سر محمد اقبال

"انارکلی کی زبان میں روانی اور انداز بیان میں دلفریبی ہے"

مرزا محمد سعید ایم ۔ اے دہلوی

"انارکلی کی اشاعت ایک تاریخی اہمیت رکھتی ہے"

سید احمد شاہ بخاری پطرس

"انارکلی اردو ڈرامہ کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا"

پروفیسر محمد دین تاثیر

"انارکلی اسٹیج اور مطالعہ ہر دو اعتبار سے کامیاب ہے۔ اسکی اشاعت سے اردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہوا ہے"

سید سجاد حیدر یلدرم

"ایک کتاب جس سے آنکھوں میں نور اور دل میں ہمدردی باشق پیدا ہوتی ہے"

منشی پریم چند

"مجھے جتنی کشش انارکلی میں ہوئی وہ اور کسی ڈرامے میں نہیں ہوئی"

پروفیسر بشیر احمد ہاشمی

"انارکلی کو دیکھ کر یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ اگر ایسا نہیں ہوا تو کاش ایسا ہوا ہوتا"

عنایت اللہ خاں ۔ عثمانیہ یونیورسٹی

"یہ اُن کتابوں میں سے ہے اور ایسی کتابیں شاذ و نادر ہی ہیں جن کو دیکھ کر پڑھ کر اور اپنے پاس رکھ کر ہمیشہ دل خوش ہوتا ہے۔ اور ان کو ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے"

جیسا کہ ماڈرن ریویو

"انارکلی مشرق کی پُراسرار اور پُرشکوہ زندگی کے عاشقانہ پہلو کی ایک داستانِ جمیل ہے۔ جسے تاج کے اندازِ بیان نے غیر فانی بنا دیا ہے"

ابو الاثر حفیظ جالندھری

"یہ تصنیف ڈراما کی تاریخ میں نہ صرف اہم یادگار کے طور پر زندہ رہے گی بلکہ ڈرامہ نویسوں کے لئے مشعلِ راہ کا بھی کام دے گی"

حکیم احمد شجاع بی-اے (علیگ)

"دربارِ اکبری کی مرحوم شوکت اور انارکلی کی زندہ درگور داستانِ محبت کو تاج کی انارکلی نے دوبارہ زندہ کر دیا ہے"

سید علی اطہر ڈائرکٹر بھارت بایاکل کمپنی لمیٹڈ

"انارکلی جیسے اردو زبان میں نہیں ایک ڈرامہ لکھا گیا ہے"